بسم اللہ الرحمن الرحیم

وطن سے دُور

ایک سفرنامہ

(سعودی عربیہ)

مصنف

حیدر ظہیر انصاری حیدرؔ

© جملہ حقوق: فی سبیل اللہ

نام کتاب : وطن سے دور ایک سفرنامہ

مصنف : حیدر ظہیر انصاری حیدرؔ

سرورق : اسلم کرتپوری

کمپوزنگ: کریئیٹو گروپ ممبئی ، فون: 022 - 23086420

طباعت: چھاپہ خانہ، صوفیہ زبیر روڈ ممبئی

اشاعت اوّل: مارچ ۲۰۱۱ء

ناشر:

حیدر انصاری اردو اکیڈمی ٹرسٹ

3A/41, ہائی لینڈ، نریندر پارک کوآپریٹیو ہاؤسنگ سوسائیٹی،

نیا نگر میرا روڈ (ایسٹ) ضلع تھانہ ۴۰۱۱۰۷

فون: 022 - 2813 0029

موبائل: 9224452254

انتساب

اپنی شریک حیات
نایاب جہاں
کے نام
جس نے ہر قدم پر میری
رہنمائی کی اور
مجھے جینے کا حوصلہ دیا

حیدر ظہیر انصاری حیدرؔ

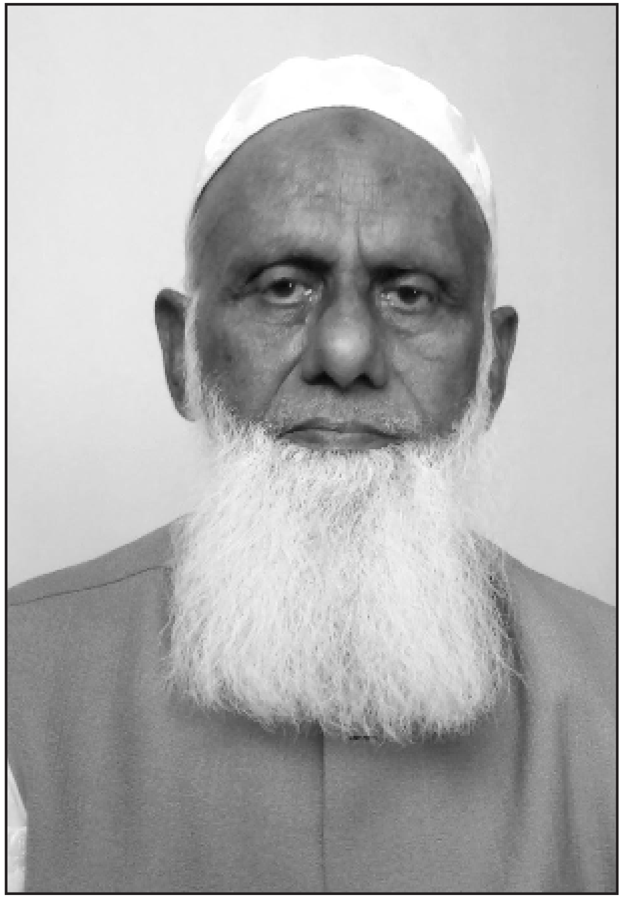

حیدر ظہیر انصاری حیدرؔ

فہرست

۱) سفر وسیلۂ ظفر	شمیم طارق	۵
۲) حیدر ظہیر انصاری۔۔۔ایک نوجوان بزرگ	اسلم کرتپوری	۹
۳) میرا دوست ۔۔۔حیدر ظہیر انصاری	احمد عمر چوگلے	۱۳
۴) ایک منفرد شخصیت	فصیح اکمل	۱۵
۵) حیدر ظہیر انصاری کے سفرنامہ پر کچھ باتیں	م۔ناگ	۱۶
۶) حیدر انصاری مجھ سے کیسے بچ گئے	انیس صدیقی	۲۰
۷) حیدر انصاری کا سفرنامہ ایک تاریخی دستاویز	مفتی قمر احسن اظہری	۲۳
۸) ادبی سچائیوں کا نقیب	اطہر امتیاز	۲۵
۹) مقدمہ	حیدر ظہیر انصاری	۲۷
۱۰) وطن سے دور۔۔۔۔ ایک سفرنامہ	حیدر ظہیر انصاری	۳۱

حمد

تعریف اس کی حمد وثنا کیا بیاں کروں
ہر شے میں نہاں وہ بھلا کیا بیاں کروں

وہ ربّ لا شریک ہے سارے جہان کا
ہر سو وہی ہے جلوہ نماں کیا بیاں کروں

اُس کے جلال سے نہ کسی کو ملے پناہ
وہ خف وہ جزا وہ سزا کیا بیاں کروں

معبود بھی وہی ہے تو مسجود بھی وہی
قومہ ' رکوع' سجودٗ دعا کیا بیاں کروں

حیدرؔ عطا ہو اور تجھے وسعتِ خیال
یوں ہی ہو تجھ پہ فضلِ خدا کیا بیاں کروں

نعت

اے بادِ صبا اے بادِ سحر پیغام نبی ﷺ تک پہنچادے
بے چین ہے دل بے تاب نظر یہ سلام نبی ﷺ تک پہنچادے

طیبہ کا دیوانہ دل میرا طیبہ میں بُلا لیجئے اے نبی
ہر صبح تمنّا کرتا ہوں اے شامنبی ﷺ تک پہنچادے

یارب تُو عطا کر علم و ہنر دین محمد ﷺ کے صدقے
یہ خلقِ خدا ہو میری زباں، اَنا م نبی ﷺ تک پہنچادے

دربارِ نبی ﷺ خضرا گنبد دیدار کا طالب ہوں حیدرؔ
سو بار فدا اہل انصار، یہ پیام نبی ﷺ تک پہنچادے

شمیم طارق

”سفر وسیلۂ ظفر“

حیدر ظہیر انصاری صاحب سے میں کبھی نہیں ملا۔ برادرم اسلم کرتپوری صاحب نے جب ان کے سفرنامے کا مسودہ دیتے ہوئے اصرار کیا کہ میں کچھ لکھ دوں تو مسودہ کی تحریر کے ساتھ ان کی تصویر پر بھی نظر پڑی۔ پیشانی پر سجدے کا نشان اور چہرے پر ریش مبارک کی شان رکھنے والی شخصیت کی مرعوب کن تصویر دیکھنے کے بعد میرا پہلا تاثر یہ تھا کہ یہ ایک نیکو کار کی تصویر ہے کسی گنہگار کی نہیں۔ لیکن پورا نام پڑھنے کے بعد احساس ہوا کہ موصوف تخلص کے گنہگار ہیں یعنی شاعر ہیں۔

شاعروں کے بارے میں ایک عام تاثر یہ ہے کہ وہ اچھی نثر نہیں لکھ سکتے۔ بہت کم ایسی شخصیتیں پیدا ہوئی ہیں جو نظم اور نثر لکھنے پر یکساں قدرت رکھتی تھیں۔ مجھے حیدر انصاری صاحب کی تحریر پڑھ کر خوشگوار حیرت ہوئی کہ اپنے مشاہدات اور سفر کے تجربات بیان کرنے میں انھیں کوئی دقت نہیں پیش آئی ہے۔ انھیں جو کہنا تھا وہ انھوں نے سیدھے سادھے بے تکلف جملوں میں کہہ دیا ہے۔

پچھلے زمانوں کے سفر کے مقابلے آج کے دور میں سفر کرنا بہت آسان ہو گیا ہے اس کے باوجود دوران سفر انسان بہت کچھ سیکھتا اور تجربہ حاصل کرتا ہے اس لئے ”سفر وسیلۂ ظفر“ والی کہاوت آج بھی اتنی ہی با معنی ہے جتنی پہلے تھی۔ حیدر صاحب نے سعودی عرب کے اپنے سفر کے مشاہدات و تجربات کو لفظوں میں بیان کر دیا ہے گویا سفر نہ کرنے یا سعودی عرب نہ دیکھنے والوں کو بھی وسیلۂ ظفر عطا کر دیا ہے۔ اس سفرنامے کو پڑھتے ہوئے آپ خود بھی حرمین شریفین، مقاماتِ مقدسہ وادیوں، صحراؤں اور شاہراہوں کا سفر کرتے ہوئے محسوس کریں گے

شمیم طارق

ممبئی ۲۴/مارچ ۲۰۱۱

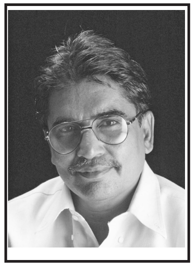

حیدر ظہیر انصاری

ایک ''نوجوان'' بزرگ

اسلم کرتپوری

حیدر ظہیر انصاری ایک ایسی شخصیت کا نام ہے جسے آپ میرا روڈ کے آثار قدیمہ میں شمار کر سکتے ہیں ۔ یہ اس وقت سے میرا روڈ میں آباد ہیں جب یہ ایک سنسان بستی ہوا کرتی تھی ۔ حیدر ظہیر انصاری ایک بزرگ ہوتے ہوئے بھی نوجوان نظر آتے ہیں ان میں بڑھاپے کے آثار کبھی دیکھنے کو نہیں ملے ۔ وہ جسم سے کمزور ضرور ہیں لیکن ان کی آواز نوجوانوں کو مات کر دیتی ہے ان میں محبت و فاشعاری خوش اخلاقی ملنساری اور خوش گفتاری کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے ۔ وہ راستے پر چلتے ہوئے بڑی شان سے اپنے ارد گرد چلنے والوں کو یہ سوچنے پر مجبور کر دیتے ہیں کہ ''واہ کیا شخصیت ہے''۔

حیدر ظہیر انصاری کی ایک دوسری صفت انکی دوست نوازی ہے ۔ چاہے انکے دوست ان سے کنارہ کشی کرنا چاہتے ہوں لیکن وہ دوستوں کو کبھی اپنے سے جدا نہیں ہونے دیتے میں انکی اس ادا سے بہت متاثر ہوں ۔ وہ ادبی ذوق رکھتے ہیں، شعر کہتے ہیں اور شعراء کی عزت کرتے ہیں ۔ انکے دو شعری مجموعے ''بساط حیدر'' اور ''کلیات حیدر'' کے نام سے شائع ہو چکے ہیں ۔ میں نے اس سے پہلے بھی کلیات حیدر میں ان کی شخصیت کے تعلق سے چند جملے تحریر کئے تھے ۔ لیکن اس وقت انکی ضخیم کلیات پر تبصرہ نہ کر سکا ۔ کیوں کہ انکی شاعری موجودہ دور کی شاعری سے کچھ ہٹ کر ہے ۔ لیکن ان کی شخصیت تبصروں کی محتاج نہیں ہے ۔

وہ آج بھی میرا روڈ کی ادبی محفلوں کی جان ہیں اور لوگوں میں مقبول ہیں ۔ وہ ایک

ایسے منفرد شاعر ہیں جنکو لوگ احترام کی نگاہ سے دیکھتے ہیں ۔ ابھی حال ہی میں انہوں نے عرب ممالک کا دورہ کیا جہاں انکے فرزند ایک اسکول میں ڈائریکٹر کے عہدہ پر فائز ہیں ۔ اس درمیان انہوں نے عرب ممالک میں تقریباً نو دس ماہ گزارے اس دوران انھیں مختلف مقامات دیکھنے کا موقع ملا ۔ ان گذرے ہوئے لمحات کو انہوں نے اپنی نوک قلم سے مقید کیا ہے ۔ جسے وہ ایک سفرنامہ کی صورت میں شائع کر رہے ہیں ۔

میرا یہ اخلاقی فرض ہے کہ میں انکے اس نثری حصہ کو جسے انہوں نے بڑی جدو جہد کے بعد قلمبند کیا ہے اس پر کچھ تبصرہ کروں ۔ لہٰذا سب سے پہلے تو میں انکو اس بات کی مبارکباد پیش کرتا ہوں کہ انہوں نے ایسے وقت جبکہ انکے دل کا آپریشن ہوا تھا یہ سفر شروع کیا اور سفر کو ذہن میں محفوظ بھی کر لیا جسے اسی وقت یا بعد میں قلمبند کرنا شروع کیا یہ بہت بڑی بات ہے ایک تو کمزوری اور دوسرے قلب کے مریض کے لئے ایسا کچھ کر پانا کوئی معمولی بات نہیں ہے ۔

حیدر انصاری کی تحریر پڑھ کر میں یہ محسوس کئے بنا نہ رہ سکا کہ یہ تحریر قاری کو اپنی طرف راغب کر سکتی ہے اور اب مجھے یہ کہتے ہوئے ذرا بھی جھجھک محسوس نہیں ہو رہی ہے کہ اگر حیدر ظہیر انصاری بہت پہلے سے نظم کی بجائے نثر میں طبع آزمائی کرتے تو آج انکی ایک دو ہی نہیں بلکہ کئی نثری کتابیں منظر عام پر آ جاتیں ۔ ان میں نثر لکھنے کے گن بہت زیادہ ہیں ۔ کچھ لوگ ان کی شاعری پر تنقید تو کرتے ہیں لیکن اس تنقید میں کوئی تعمیری پہلو نہیں ہوتا تنقید کرنے والوں کو یہ سوچنا چاہیئے کہ پہلے ان کے کلام کا جائزہ تو لیں کہ انہوں نے کتنی محنت سے کام کیا ہے ۔ ان کے تخیل اور اس کے اظہار میں لفظوں کی ضرورت نہیں کم سے کم ان کے جذبات کی تو قدر کرنا چاہئے ۔ جبکہ ہمارے بہت سے احباب صرف اس زعم کا شکار ہیں کہ انہیں حضرات نے ادب کا ٹھیکہ لے رکھا ہے انکے علاوہ اگر کوئی قلم اٹھائے تو وہ انکے عتاب کا شکار بن جاتا ہے ۔ ایسا نہیں ہونا چاہیئے ۔ نئے لکھنے والوں کی بھی حوصلہ افزائی کرنا ضروری ہے ۔ کیونکہ آگے چل کر انہیں

نئے فنکاروں میں سے کچھ چمکتے ہوئے ستارے پیدا ہو سکتے ہیں۔

حیدرظہیر انصاری نے اپنے سفرنامہ میں پوری کوشش اس بات کی ہے کہ وہ اپنے قاری کو اپنی طرف پوری متوجہ کرلے۔انکی یہ کوشش میں وہ بہت حدتک کامیاب بھی رہے ہیں۔انہوں نے اپنی تحریر میں جگہ جگہ وحدانیت اور شرک کے بارے میں خلاصہ کیا ہے کہ وحدانیت عرب قوم میں پہلے سے موجود تھی۔اور شرک آج بھی اس قوم میں نہیں ہے۔سرزمین عرب اور مسجدالحرمین کے بارے میں کافی معلوماتی نکات پیش کئے ہیں یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ انہوں نے کافی گہرائی سے تاریخ کے اوراق کا مطالعہ کیا ہے۔یہ سفرنامہ انکے جذبات کو مکمل طور پر ظاہر کرتا ہے بھلے ہی زبان و بیان میں وہ کمزور ثابت ہوئے ہوں۔اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے۔وہ قاری تک اپنے جذبات اور احساسات بہت ہی خوش اسلوبی سے پہنچانے میں کامیاب رہے ہیں یہی انکی کامیابی کی دلیل ہے۔

تاریخی معلومات کا حوالہ دیتے ہوئے انہوں نے حقائق کی طرف بھی روشنی ڈالی ہے ساتھ ہی اللہ اور اسکے رسول ﷺ کی طرف سے دی گئی ہدایتوں کو لوگوں تک پہنچانے کا کام بھی کیا ہے۔کسی ملک کی ترقی اس ملک کے سربراہوں کی نیک نیتی اور اپنے عوام سے محبت پر مبنی ہوتی ہے۔اس میں شک نہیں کہ سعودی حکومت اپنے عوام کی ہر بات کا خیال رکھتی ہے وہ اپنے ملک کو ترقی یافتہ بنا کر دوسرے ترقی یافتہ ملکوں کی صفوں میں لاکر کھڑا کرنا چاہتے ہیں۔

اس سفرنامہ میں حیدرظہیر انصاری نے اُس ملک کا موازنہ اپنے ملک سے کیا ہے۔یہاں یہ بات کھٹکتی ہے۔جبکہ ہمارا ملک بھی ترقی کی طرف قدم بڑھا رہا ہے بھلے ہی یہاں کے سربراہان اسکی ترقی میں رکاوٹ بنے ہوئے ہوں لیکن پھر بھی ہمارا ملک ایک جمہوری ملک ہے جہاں سب کو اپنی بات کہنے کا حق حاصل ہے۔ایک دن ضرور آئیگا جب ہمارا ملک بھی ترقی کی منزلیں طے کرکے دوسرے ترقی یافتہ ملکوں کی صف میں کھڑا ہو جائیگا یہ بات حیدرظہیر انصاری صاحب کو

نہیں بھولنی چاہیئے۔

یہ سفرنامہ بنیادی طور پر یہ اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے عوام اور حکومت مل کر ایک دوسرے کے ساتھ اگر آپسی تعاون پیش کریں تو کوئی بھی ملک ترقی کرسکتا ہے۔

مجموعی طور پر حیدرظہیر انصاری اپنی کاوش میں کافی حدتک کامیاب ہوئے ہیں کہ وہ نثر میں بھی اپنی بات کہہ سکتے ہیں جو کہ انکا میدان نہیں ہے۔ایسا کرکے انہوں نے اپنے ان خیرخواہوں کو ضرور ایک ضرب لگانے کی بھرپور کوشش کی ہے جو ان پر آئے دن تنقید کیا کرتے تھے۔

امید ہے کہ قارئین بھی انکی اس کاوش سے لطف اندوز ہونگے۔

اسلم کرتپوری

(صحافی)

میرا دوست

حیدر ظہیر انصاری حیدؔر

احمد عمر چوگلے

چھوٹا سا قد سانولا رنگ آنکھوں میں اتنی گہرائی کے سمجھ میں نہیں آتا انہیں کیا نام دوں ۔ہنسنے پر آئے تو کھل کھلا کر ہنس دے اور فکر مند ہو جائے تو چہرہ بے شمار فکروں کی آماجگاہ بن جائے ۔ذہین سینے میں ہمیشہ سوچ کی شدت اور دماغ لگاتار قوم کے لئے فکر مند کبھی ایک جگہ ٹک کر نہیں بیٹھتے آرام کرنا تو شاید انکی قسمت میں لکھا ہی نہیں ہے،ہاں اگر طبیعت ناساز ہے تو گھر میں نماز پڑھ لیں گے ورنہ کیا مجال بارش گرمی سردی طوفان اس مردِ مجاہد کو باجماعت نماز پڑھنے سے روک دے ۔یہ تو رہی دین کی بات ۔اب ذرا دنیا کی بھی سن لیں کسی کروٹ چین نہیں نہ جانے کون سی بے چینی اس شخص کو لگاتار ستا رہی ہے یہ آج تک کوئی نہ جان سکا ۔اگر اس کا بس چلتا تو یہ شخص سماج میں انقلاب لا سکتا تھا مگر شاید قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا قوم کی فکر قوم کی ترقی کی فکر۔جب بھی موقعہ ملے نوجوان نسل کو تاکید کرنا ’سمجھانا‘ راہ دکھانا چاہے کوئی مانے یا نہ مانے یہ اپنا کام کرتے ہی رہتے ہیں۔حکومت وقت یا ارباب اقتدار کوئی بھی ہو جہاں زیادتی نا انصافی کام چوری نظر آئی کہ موصوف وہاں پہونچ جاتے اور بے خوف وخطر بے بانگ دھل ڈنکے کی چوٹ پر اپنے خیالات کا اظہار کرنا کوئی حیدر ظہیر انصاری سیکھے سماج میں تبدیلی کے لئے سیاست میں بھی بار بار زور آزمائی کی مگر افسوس لوگ انکے جذبے کو سمجھ نہ سکے ۔دین سے محبت نے میرا روڈ دنیا نگر میں حدیث پاک لکھنے کا سلسلہ شروع کروایا اس وقت میں بھی ان کے ساتھ تھا ایسی ایسی نایاب حدیثیں عوام کے گوش گزار کردیں جنہیں عام انسان شاید ہی جان پاتے

یہاں تک کہ عالم یہ تھا ہم دونوں کی منتخب کردہ حدیثیں جو ہم صحیح بخاری شریف اور دوسری کتابوں سے نکالے تھے انہیں دیگر مساجد کے امام صاحبان پڑھ کر اپنی تقریروں کے ذریعہ عوام کے سامنے پیش کرتے تھے۔

ساتھ ہی اردو ادب سے محبت اتنی کہ اسکے فروغ کے لئے ۔”حیدر ظہیر انصاری اردو اکیڈمی“کی بنیاد ڈالی ۔اس شخص کی کن کن خوبیوں کا ذکر کیا جائے بے شمار فکروں کے سائے میں جینے کے باوجود بے خوف وخطر خیالات کا اظہار کرنے والے اس شخص کے سینے میں اردو شاعری کا ایک سمندر موجیں مارتا ہے ۔ساری زندگی لکھتے رہے ۔ہر موضوع پر اپنے خیالات کو نظم اور غزل کی شکل دیتے رہے ۔ یہاں تک کہ ایک بہترین کتاب کلیات حیدر منظر عام پر آئی ۔یہ حیدر ظہیر انصاری کے دماغ میں پنپنے والے بے شمار سوالات کا جواب تصورات کا عکس اور جذبات کی عکاسی ہے اور آج بھی انٹرنیٹ پر یہ کتاب آب وتاب کے ساتھ موجود ہے ۔اردو کو فروغ دینے کے لئے شعری نشستوں کا اہتمام کرواتے ۔اور شعراء سے ان کے کلام سنتے انکی بہترین خاطر تواضع کرتے ایسا تنہا شخص اگر پورے میرا روڈ میں ہے تو وہ ہے حیدر ظہیر انصاری ۔اپنی بساط سے زیادہ محنت کرکے اپنے بچوں کو بہترین تعلیم کے زیور سے آراستہ کرنا کتنا مشکل کام ہے ۔حیدر ظہیر انصاری نے اپنے بچوں کو تعلیم کے میدان میں بہت آگے تک پہنچا دیا ۔آج انکے بچے اعلی عہدوں پر فائز ہیں ۔میری رب العالمین سے دعا ہے کہ میرے اس دوست کو صحت اور طویل زندگی عطا فرمائے۔

احمد عمر چوگلے (میرا روڈ)

سماجی کارکن وشاعر

ایک منفرد شخصیت

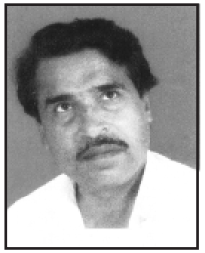

فصیح اکمل قادری

اردو شاعری کے دامن میں پھول اور کانٹے سبھی کی اپنی اپنی اہمیت اور رنگ و رعنائی شامل ہے،بقولِ جوش ملیح آبادی ۔

ہے خار کی بھی رگ میں لہو سبزوار کا   پالا ہوا ہے یہ بھی نسیم بہار کا

میں جس شخصیت کا ذکر کر رہا ہوں اس کے تعلق سے میرا روڈ میں مختلف نظریات ہیں، اپنی شخصیت کے اعتبار سے نہایت محترم پابندِ صوم وصلوٰۃ مخلص اور متمول حیدر ظہیر انصاری میرا روڈ کے ادبی اور غیر ادبی دونوں حلقوں میں موضوعِ گفتگو بنے رہتے ہیں،اُن کی اپنی ایک منفرد پہچان ہے جس سے وہ ایک بال برابر بھی اِدھر اُدھر نہیں ہو سکتے۔سخنوروں میں اُن کا دعوائے سخندانی سب سے بلند آہنگ رہتا ہے اور وہ اپنی شناخت کا جواز اسی میں پا کر مطمئین و مسرور رہتے ہیں۔کبھی کبھی وہ ایک ایسے مجذوبِ فکر نظر آتے ہیں جو دنیا والوں کے طعن و تشنیع وطنز و تضحیک سے بے فکر اپنی موج میں مست وشاداں رہتے ہیں۔کچھ مخصوص لوگوں کے لیے بے حد مخلص اور معاون ہونے والے حیدر ظہیر انصاری مجھے ہمیشہ ''مجذوبِ فکر'' نظر آئے اور میں نے اس حوالے سے ان کے تعلق استوار رکھا،یہ سطور اسی تعلق کے حوالے سے ان کی منفرد شخصیت کو میرا خراجِ تحسین سمجھنا چاہیے۔یادوں کی امواجِ تہہ نشیں سے جب بھی ان کی شبیہ ابھرتی ہے مسرور کر دیتی ہے۔

فصیح اکمل قادری (دہلی)

م۔ ناگ (صحافی افسانہ نگار)

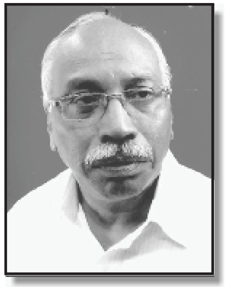

حیدر ظہیر انصاری کے سفرنامے پر کچھ باتیں۔۔

حیدر ظہیر انصاری حیدرؔ ایک ایسی شخصیت ہے جو کسی تعارف کی محتاج نہیں۔بلاشبہہ وہ اپنی شخصیت میں ایک ادارہ ہیں۔بے لوث و پُرخلوص خدمتگار اور محسن انسانیت ہیں۔فلاحی کاموں میں ہمیشہ پیش پیش رہتے ہیں۔اپنا کاروبار کرتے ہیں اور سماجی خدمات کا سلسلہ بھی جاری ہے۔ان کی سرپرستی میں کئی ادبی نشستیں میرا روڈ اور دیگر علاقوں میں منعقد ہوتی رہتی ہیں۔ان کے دو شعری مجموعے''بساط حیدر'' اور''کلیات حیدر''منظرِ عام پر آکر دادِ تحسین حاصل کر چکے ہیں۔اب انہوں نے نثری میدان میں قدم رکھا ہے۔افسانے اور مضامین تو ابتدا سے لکھتے رہے ہیں اس بار نثر میں بعنوان''وطن سے دور'' ایک سفرنامے کی سوغات لائے ہیں۔

سفرناموں کی ابتداء صدیوں پہلے ان زمانوں میں ہوئی تھی جب انسان نئی زمینوں کی تلاش و جستجو میں بحری جہازوں کے ذریعہ سفر پر نکلا۔اس وقت جب نہ کاغذ تھا نہ قلم تھا نہ سیاہی تھی۔سیّاحوں کے سفرنامے سینہ بہ سینہ چلتے رہے۔جب لکھا پڑھی کا زمانہ شروع ہوا تو کولمبس نے ہندوستان کی تلاس میں سفر شروع کیا۔یہ الگ بات ہے کہ وہ کہیں اور پہنچ گیا۔بہر کیف سفرنامے لکھے جاتے رہے اور آج بھی لکھے جا رہے ہیں۔پڑھنے والوں نے اس میں دور دیش کی داستانیں تلاش کیں،ایڈونچر ڈھونڈے،نئی معلومات،رسم ورواج سے واقفیت حاصل ہوئی،اس وقت روزنامچوں اور ڈائریوں پر مشتمل سفرنامے رقم ہوئے اور کارواں چل پڑا۔

ہندوستان میں بھی سفرنامے لکھے جاتے رہے لیکن سفرناموں کو بڑی مدّت تک ”پرائیوٹ رائیٹنگ“ سمجھا جاتا رہا۔ ہاں البتہ تقسیم ہند کی بعد پاکستان میں چھٹی اور ساتویں دہائی کی ابتدا میں سفرناموں کی تعداد میں کافی اضافہ ہوا۔ پاکستان میں یوں تو کئی قلمکاروں نے سفرنامہ نگاری کی جیسے ابراہیم سفیر، مرتضیٰ نقشبندی، ارتضیٰ ھمایوں، لیکن فاروق خالد اور مستنصر حسین تارڈے نے اس صنف کو عروج پر پہنچا دیا۔ ان کے سفرناموں پر مضامین لکھے گئے اور قارئین کے علاوہ ناقدین نے بھی انہیں سراہا۔ لیکن ہندوستان میں سفرناموں پر اتنی توجہ نہیں دی گئی۔ نہ کوئی ایسا قابل ذکر سفرنامہ نگار ہی پیدا ہوا جو اس صنف کو بام عروج تک پہنچاتا۔

”سفرنامے کے لئے ضروری ہے کہ سفرنامہ نگار گھمکڑ طبیعت کا ہو نئی زمینوں اور نرالی دنیاؤں کے سفر کا قصد کرلے، طبیعت میں مسافری کا شوق ہو مزاج قلندرانہ ہو۔“ (مالک رام آج کل ۱۹۶۴)

آج سے تیس برس پہلے تک سفرنامہ نگاری کو اردو ادب کی صنف کوئی نہیں مانتا تھا نہ سفرنامے رسائل میں شائع ہوتے نہ مذاکروں میں ذکر ہوتا اور نہ سفرنامہ لکھنے والوں کو کسی اعزاز یا انعام کا مستحق سمجھا جاتا۔ سفرناموں کو عام طور پر لوگ تاریخ یا جغرافیہ کا حصہ مانتے تھے۔ ڈائری اور روزنامچوں کی ذیل میں رکھتے تھے۔ لیکن جب سفرناموں میں انشا پردازی آئی، طنز و مزاح آیا تو اسے ادب پارہ کہا جانے لگا اور سفرناموں کی کتابیں منظر عام پر آئیں۔ ہندوستان میں خال خال سفرنامے لکھے گئے۔ جبکہ پاکستان میں مستنصر حسین تارڈ نے سفرناموں پر ایک کے بعد ایک قابل مطالعہ کتابیں لکھیں جیسے ”نکلے تیری تلاش میں“ ”خانہ بدوش“ ”اندلس میں اجنبی“ ان تینوں کتابوں نے ناقدین کی توجہ مبذول کی اور سفرناموں کی تعریف طے کرنے میں مددگار قرار پائیں۔ ہندوستان میں سفرناموں کی ذیل میں سب سے بڑا نام قرۃ العین حیدر کا ہے۔ ان کے سفرناموں کو تنقید نگاروں نے ناستالجک قرار دیا۔ جبکہ مستنصر حسین تارڈ کے سفرناموں میں انشا پروازی بھی ہے، نئی دنیا کی کھوج بھی ہے، تحیّر اور ایڈونچر بھی ہیں اور ان کی تحریر کا انداز اتنا پیارا ہے کہ کوئی ایک بار کتاب پڑھنا شروع کرے تو ایک

ہی نشست میں ہی کتاب مکمل کرلیتا ہے۔ اس کے علاوہ سب سے بڑا وصف ان کی تحریر میں رومانیت کا ہے جو سحر زدہ کردیتا ہے۔ اکثر مذاکروں میں یہ سوال اٹھایا گیا کہ سفرنامہ لکھنے کے لئے سفر کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ کئی سفرنامے ڈرائینگ روم میں بیٹھ کر لکھے گئے تھے۔ ”لیکن یہ بات ضروری ہے کہ سفرنامہ نگار کے مزاج میں آوارگی اور سیر و سیاحت کے کچھ تو عنصر ہونا ہی چاہیے۔ انشا پردازی آٹے میں نمک کی برابر ہو لیکن تحریر میں زبان کی چاشنی ہونا چاہئے۔ زبان آسان ہو لیکن کاٹھدار ہو تحریر میں روانی ضروری ہے۔“ (احتشام حسین)

سفرنامے لکھنے کے لئے سفر کرنے پڑیں گے، سفر کے لئے فراغت اور پیسہ چاہئے، پھر ایک ادیب کی نظر چاہئے، تبھی ایک کامیاب سفرنامہ تحریر کیا جاسکتا ہے۔ شاعری سے مجھے کوئی کد نہیں ہے لیکن شاعری ایک خوبصورت فریب ہے، ہوائی قلعے میں خیالی پلاؤ پکانے کے مترادف ایک سحر میں گرفتار کرتی ہے۔ یہاں قطرہ سمندر ہے۔ لیکن نثر میں کوئی لاگ لپیٹ اور چھپاؤ نہیں ہوتا اس میں دو ٹوک ردعمل ظاہر کرنا ہوتا ہے اور بڑی نثر تو بڑے تجربے کے بعد ہی معرض وجود میں آتی ہے۔

حیدر ظہیر انصاری حیدرؔ نے شاعری کے بعد اب باقاعدگی سے نثر کے میدان میں قدم رکھا ہے۔ ان کا سفرنامہ ”وطن سے دور“ منظر عام پر آیا ہے۔ یہ سفر ۲۵/مارچ ۲۰۰۹ء سے شروع ہوتا ہے حیدر انصاری صاحب سعودی عرب پہنچتے ہیں۔ وہاں الجوف انٹرنیشنل اسکول جو ال سکاکا میں واقع ہے۔ اس اسکول میں ان کے دو فرزند ایک ڈائرکٹر اور دوسرے پرنسپل کی حیثیت سے تعلیمی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ عمرے کی نیت سے کیا گیا یہ سفر اس وقت ایک یادگار دستاویز بن جاتا ہے جب وہ طویل و عریض صحراؤں، وسیع وادیوں سے گزرتے ہوئے حائل پہنچتے ہیں۔ حائل سے مدینہ منورہ میں ایک شب بسری کے بعد مکہ معظمہ کے لئے روانہ ہوتے ہیں وہاں کے مقدس مقامات کی زیارت کرتے ہوئے اسی راستے اپنے مقام یعنی ال سکاکا لوٹ آئے۔

اس سفرنامے میں جو تفصیلات رقم ہوئی ہیں ان میں سفرنامہ نگار کے دلی جذبات واحساسات ہیں۔

"وطن سے دور" وحدانیت پر مبنی سفرنامہ ہے۔ جس میں عربی کلچر، وہاں کے بازار کاروبار، کاروبار، لوگوں کا مزاج، ثقافت، موسم، سلوک و برتاؤ، رسم و رواج پر کافی تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ بیان میں ادبی چاشنی نہیں ہے لیکن سادہ بیانی میں کامیابی کے ساتھ عربی کلچر زندہ ہوگیا ہے۔ اسے پڑھتے ہوئے جہاں معلومات کا خزانہ آپ کے ہاتھ لگتا ہے وہیں ایک نئی دنیا آپ پر آشکار ہو جاتی ہے۔ دلچسپ اور دلپذیر انداز میں لکھا گیا یہ سفرنامہ قاری کو شروع سے آخر تک باندھے رکھتا ہے۔ سفرنامے کی سب سے بڑی خصوصیت اس کی سادہ بیانی ہے۔ سادہ بیانی سے سفرنامہ نگار نے کام لیتے ہوئے فضا اور ماحول کو اس طرح رقم کیا ہے کہ منظر سانس لیتے نظر آتے ہیں، نہ کہیں استعاراتی انداز ہے نہ پیچیدہ عبارتیں بلکہ زبان و بیان اور انداز تمام تر کی ادائیگی بڑی سادگی سے ہوئی ہے مجھے امید ہے یہ سفرنامہ ہر خاص و عام طبقوں میں ہاتوں ہاتھ لیا جائے گا۔

م۔ناگ

(صحافی و افسانہ نگار)

انیس صدیقی (سینئر صحافی)

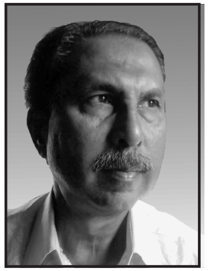

حیدر ظہیر انصاری۔۔۔۔۔ مجھ سے کیسے بچ گئے!

ممبئی شہر دنیا میں شائد واحد ایسا شہر ہے جہاں لوگ ایک دوسرے کو جانتے بھی ہیں اور پہچانتے بھی ہیں لیکن نہیں بھی جانتے اور نہ ہی پہچانتے ہیں۔ اسی جان پہچان کی کشمکش نے ایک ایسے شخص کے تعلق سے یہ مضمون لکھنے کی تحریک پیدا کی جسے نہ تو میں جانتا ہوں اور نہ ہی پہچانتا ہوں صرف انکے بارے میں سُنا ہوں اور وہ بھی ایسے لوگوں سے جو انتہائی معتبر ہیں۔ اس لیئے اس شخص کا ذہن میں جو خاکہ ابھرا وہ اس طرح کہ واقعی یہ شخص جسے دنیا حیدر ظہیر انصاری کے نام سے جانتی ہے ایک انتہائی مخلص، اپنے سے زیادہ دوسروں کے لیئے فکر مند عمر کے برخلاف بلند حوصلہ، قوم اور اس کے جوانوں کے لیئے کچھ کرنے کا جذبہ، اپنی بات بلاخوف وخطر دوٹوک رکھنے والا وغیرہ وغیرہ۔

بقول اسلم کرتپوری کے حیدر ظہیر انصاری کو ممبئی کے مغربی مضافات میرا روڈ کے آثار قدیمہ میں شمار کیا جا سکتا ہے، میں اسلم کی بات کو تھوڑا آگے بڑھاتے ہوئے کہنا چاہوں گا کہ "آ کے سجادہ نشیں قیس ہوا میرے بعد " کے مصداق حیدر صاحب نے میرا روڈ کی سنسان اجاڑ بستی اور بنجر زمین کو اپنے ادبی اور شعری ہل سے اتنا سینچا کے وہ ذرخیز ہوگئی لھذا آج کتنے ہی مشہور اور اعلیٰ پائے کے ادیب و شعراء اور صحافی وہاں بس گئے ہیں جو اپنے تخلیقی سفر کو نئی بلندیاں عطا کر رہے ہیں مجھے یہ بھی معلوم ہوا کہ انکے دو شعری مجموعے، بساط حیدر، اور کلیات حیدر کے نام سے شائع ہو چکے ہیں۔ میری یہ بدقسمتی ہے کہ ان دونوں مجموعوں سے مستفیض نہیں ہو سکا لیکن میں نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ انکا ادبی ذوق کافی بلند ہے ادبی محفلوں میں لوگ انہیں احترام کی نگاہ سے دیکھتے ہیں وہ اپنی

خوش اخلاقی اور خوش گفتار سے سبھوں کا دل موہ لیتے ہیں ۔حیدر انصاری کی موجودہ کتاب سعودی عرب کا سفرنامہ ’’وطن سے دور‘‘ شائع ہو رہی ہے ۔

اس سلسلے میں عرض کرتا چلوں کہ میں خود تقریباً دس سال سعودی عرب کے ذرخیز شہر جدہ کے روز نامہ سعودی گزٹ میں بطور معاون مدیر کے کام کر چکا ہوں ۔اس دوران میں نے مشہور صحافی اور عالم دین مولانا حامد الانصاری غازی اور ان کے فرزند طارق غازی جو ان دنوں جدہ میں رہائش پذیر تھے کے دولت کدہ پر جہاں اکثر وبیشتر شعری ونثری نششتیں ہوا کرتی تھیں میں شرکت کی ہے ۔جن میں جدہ میں رہائش پذیر ہندو پاک کے تقریباً تمام شعراء اور ادباء شریک ہوا کرتے تھے ساتھ ہی ہند پاک سے آنے والے شعراء وادباء کے اعزاز میں محفلیں بھی سجتی تھیں ۔ ریگستان میں اس طرح کی محفلیں سجانا اور اردو کی خدمت کرنا ان حضرات معمول بن گیا تھا ۔وہاں سے کئی شعراء نے اپنے شعری مجموعے بھی شائع کئے ۔حیدر صاحب کے سفرنامہ وطن سے دور مجھے ان دنوں کی یاد دلاتا ہے ۔

یہ میں اچھی طرح محسوس کر سکتا ہوں کہ ریگستان میں جس طرح اردو کے متوالوں نے اردو والوں کے لیئے زمین ذرخیز کی اسی طرح حیدر ظہیر انصاری نے بھی میرا روڈ کی بنجر زمین کی آبیاری کی انکے سفرنامے کے کچھ حصے پڑھنے کے بعد مجھے ایسا محسوس ہوا کہ میں پھر سعودی عرب کے صحراؤں میں سفر کر رہا ہوں ۔حیدر ظہیر صاحب جب بھی کچھ لکھنے کی کوشش کرتے ہونگے تو الفاظ ہاتھ باندھ کر انکے سامنے کھڑے ہو کر کہتے ہونگے کہ حیدر ظہیر انصاری مجھے استعمال کیجئے میں یہاں موزوں ہوں اور حیدر ظہیر صاحب انہیں سمجھاتے ہوئے کہتے ہونگے تم لفظ نہیں ہو بلکہ موتی ہو مجھے ان موتیوں کو لڑی میں اس طرح پرونا ہے کہ پڑھنے والوں کو تمہاری قدر ہو ۔واقعی یہ کمال چنندہ لوگوں کو ہی حاصل ہے جن میں موصوف بھی شامل ہیں ۔

چونکہ میں ۴۰ سال سے صحافت کے پیشے سے منسلک رہا ہوں یہ میں اچھی طرح جانتا ہوں

کہ ایک صحافی چوں چوں کا مربہ ہوتا ہے وہ اپنے آپکو ہر اس موضوع پر قادر سمجھتا ہے جسے اس نے اپنے تعلیمی سفر میں کبھی نہ پڑھا ہو وہ صبح میں کسی سیاستداں کا انٹرویو کرتا ہے تو دوپہر میں کسی فلمی شخصیت سے اور شام میں کسی شاعر یا افسانہ نگار سے ملاقات کرتا ہے ۔میں بھی یہی سب کچھ کرتا تھا جس کی وجہ سے چاہے وہ نیاز حیدر مرحوم ہوں باقر مہدی ہوں یا پھر دھرمیندر یا دلیپ کمار ہوںٔ یا کوئی اعلیٰ پائے کا سیاستداں سب سے ملنا ہوتا تھا ممبئی ہی نہیں بلکہ ہندو پاک کے نہ جانے کتنے ادباء شعراء کو میں ذاتی طور پر جانتا اور پہچانتا ہوں لیکن حیرت کی بات ہے کہ حیدر ظہیر انصاری ’’مجھ سے کیسے بچ گئے‘‘ ان سے میری ملاقات کیوں نہیں ہوئی ۔

کسی شخص کے بارے میں جسے میں جانتا نہیں پہچانتا نہیں اتنا کچھ لکھنے کے بعد ایسا لگتا ہے کہ میں انہیں اچھی طرح جانتا اور پہچانتا بھی ہوں اور دعویٰ کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ آنے والی نسلیں بھی انھیں ’’وطن سے دور‘‘ کے تعلق سے یہ ضرور پہچانیں گی اور کہیں گی کہ ’’ ہم نے حیدر ظہیر انصاری کو دیکھا ہے ۔‘‘

انیس صدیقی (ممبئی)

مفتی قمر الحسن اظہری

حیدر انصاری کا سفرنامہ

ایک تاریخی دستاویز

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدللہ رب العٰلمین والصلاۃُ والسلام علیٰ سیدنا و مولانا محمد و علیٰ اٰلہ و اصحابہ اجمعین اللہ رب العزت نے اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی ہے جیسا کہ حدیث میں ہے (عن ابنِ عمر رضی اللہ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نبی الاسلام علیٰ خمس شھادۃ انی لا الہ الا اللہ و ان محمد عبدہ و رسولہ و اقام الصلاۃ و ایتاء الزکوٰۃ والحج و صوم رمضان م) متفق علیہ۔

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے آپ نے فرمایا اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے (۱) اللہ کے ایک ہونے کی اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول ہونے کی شہادت دینا (۲) نماز قائم کرنا (۳) زکوٰۃ دینا (۴) حج کرنا (۵) اور رمضان کے روزے رکھنا۔ ان پانچ ارکان میں حج بھی ایک اہم رکن ہے اور حج کو خاص طور سے ان ارکان مین یہ خصوصیت حاصل ہے کہ یہ مالی عبادت بھی ہے اور جسمانی بھی۔ حج کی اہمیت کو بیان ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ (عن علی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من ملك زاداً او راحلةً تبلغه الیٰ بیت اللہ وطه یحج فلا علیه ایموت یهودیا او نصرانیا و ذلك ان اللہ تبارك تعالیٰ یقولُ واللہ علی الناس حج البیت من استطاع الیه سبیلا ۔ترمزی۔

جس کے پاس سفر حج کا ضروری سامان ہو اور اسکو سواری میسر ہو جو اسکو بیت اللہ تک پہنچا سکے اور وہ پھر حج نہ کرے تو کوئی فرق نہیں کہ وہ یہودی ہو کر مرے یا نصرانی ہو کر اور یہ اس لیئے کہ اللہ تبارک

تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اللہ کے لیئے بیت اللہ کا حج فرض ہے ان لوگوں پر جو اس تک جانے کی استطاعت رکھتے ہوں۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حج ادا کرنے والوں کے لیئے خوشخبری اور نہ کرنے والوں کے لیئے وعید ارشاد فرمائی ہیں جو احادیث میں موجود ہے اس لیئے اس سفر کی اہمیت بڑھ جاتی ہے۔ محترم حیدر ظہیر انصاری صاحب سماج میں ایک سنجیدہ ادیب اور مہذب شاعر کی حیثیت سے پہچانے جاتے ہیں۔ موصوف کو قادر مطلق نے حج بیت اللہ کی سعادت سے نوازا ہے۔ چونکہ وہ فطرت سلیمہ اور اسلامی ذوق بھی رکھتے ہیں اس بن پر موصوف نے توفیق خداوندی اور سفر سے لطف اندوز ہوتے ہوئے اپنے اس مبارک سفر کو ایک اچھے سلیقہ سے ترتیب دیا ہے جسے پڑھ کر دل میں ایک جذبہ اور شوق پیدا ہوتا ہے کہ ہم بھی ان مقام مقدسہ کی زیارت کریں ساتھ ہی اللہ اور اس کے رسول محمد ﷺ سے محبت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ اللہ کا خوف اور گناہوں سے بچنے کی ترغیب دیتا ہے۔ وہیں یہ سفرنامہ ایک تاریخی دستاویز بھی ہے۔ انشاء اللہ پڑھنے والوں کے دلوں میں اپنا اثر قائم کیئے بنا نہ رہ سکے گا۔ کیونکہ ایک تو سفر ہی ان مقامات کا ہے جو اسلام میں اہم درجہ رکھتے ہیں دوسرے موصوف کا اندازِ بیان بھی ماشاءاللہ دلکش ہے۔

دعا ہے کہ رب العزت اس سفرنامے کو قبولیت سے نواز کر قارئین کو بھی اس سفر کی طرف رغبت و رہنما کا ذریعہ بنائے۔ آمین

مفتی قمر الحسن مبارک بجنوری

(فاضل جامعہ ازہر قاہرہ مصر)

اطہر امتیاز (میرا روڈ)

ادبی سچائیوں کا نقیب

اردو ادب کے صاحب طرز ترقی پسند، قادر الکلام شاعر، باریک بین محقق واقف فن حیدر ظہیر انصاری حیدؔر کی یگانہ روزگار شخصیت کے اتنے پہلو ہیں کہ سب کا احاطہ کرنے کو ایک دفتر درکار ہے موجودہ عہد میں حیدر ظہیر انصاری حیدؔر کا شمار ان شخصیتوں میں ہوتا ہے جنہوں نے اردو ادب اور تہذیب کے فروغ کے لیئے اپنی عمر عزیز کا بڑا حصہ صرف کیا ہے، اور جنکی خدمات کو ادب کی تاریخ بھی فراموش نہیں کرسکتی۔

گھریلو اور خاندانی تربیت کا عکس اور بزرگوں کی نصیحتوں سے دل و دماغ پر پڑنے والے نفسیاتی اثرات اور تقویٰ طہارت کے ماحول میں پرورش کے بعد بننے والی شخصیت جب شاعری میں ڈھلتی ہے تبھی کوئی کا ناقابل فراموش شعر تخلیق پاتا ہے، ایسا بھی نہیں کہ انکی شاعری یک رنگی یک رخی ہے وہ حالات حاضرہ سے. بہت ہی باخبر ہیں، موجودہ سیاست نے اپنے زہریلے بیج کہاں کہاں بو رکھے ہیں اس کا انہیں بخوبی علم ہے، خود بھی سیاست وقت سے اپنے دامن کو محفوظ رکھنے کی کوششیں کرتے ہیں، اور اپنے مشاہدے اور تجربے کا فائدہ دوسروں تک بھی بڑی فراخدی سے پہنچاتے ہیں انہوں نے اپنی شاعری کے بالکل بتدائی زمانے میں سماجی مسائل کو کھلے دل و دماغ سے محسوس کرنا شروع کر دیا تھا انکو اپنے عہد کے تمام سیاسی، ثقافتی، مذہبی تقاضوں کا عرفان ہے۔

انہوں نے اپنی شخصیت کو مشاہدات کی بھٹی میں خوب خوب تپایا ہے حالات کی گرمی انکے ذھن کو گرما دیتی ہے، اس لیئے انہیں گفتگو کرنے کا سلیقہ آتا ہے گفت گو بھی ایسی کہ جو بے حس دل کو متحرک

کر دیے منجمد ذہن کو ہر کت میں لے آئے۔ انکے چھپے فنکار نے انہیں زبان کھولنا سکھایا ہے، صداقتوں کی پرکھ ہر شخص کو نہیں آتی اس کے لیئے حادثات وانقلاب کے چہروں پر سے نقابوں کو الٹنا پڑتا ہے انہوں نے یہ سب کچھ کر دکھایا ہے۔

میں امید کرتا ہوں کہ انکا سفرنامہ "وطن سے دور" منظر عام پر آرہا ہے جس میں سعودیہ عربیہ کے حالات پر تحریر کردہ مضامین آپ تمام حضرات کو لطف اندوز اوران کے فن سے مطمئن کر دیں گے، ہم دعا گوں ہیں کہ اللہ آپکی عمر دراز کرے اور یہ سفرنامہ بھی دوسرے سفرناموں کی طرح بام عروج پر پہنچے۔

اطہر امتیاز

(میرا روڈ)

سرور حیدر انصاری

ہمارے پیارے ابّو !

میں اپنے چاروں بھائیوں میں سب سے بڑا ہوں۔اور بڑا ہونے کے ناطے میرا یہ فرض بنتا ہے کہ میں اپنے والد کے سفرنامہ "وطن سے دور" کے تعلق سے اپنے تاثرات پیش کروں۔

ہمارے ابّو ایک زندہ دل انسان ہیں۔وہ جب کسی کو دوست بناتے ہیں تو اس کے ہر اچھے بُرے وقت میں دل وجان سے ساتھ نبھانے کی کوشش ضرور کرتے ہیں۔میں نے اپنے بچپن سے لے کر آج تک اُن کو یہی کرتے دیکھا ہے۔وہ خوش گفتار ہیں خوش اخلاق ہیں لیکن اصول کے معاملے میں سخت ہیں۔اپنے بچوں کی تعلیم وتربیت میں کبھی کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ انھوں نے کبھی کسی کے دل کو چوٹ نہیں پہنچائی۔اپنی اولاد کو بھی اسی طرح کی تعلیم دی ہے۔مجھے یاد ہے جب ہم ماہم کے ایک چھوٹے سے کمرے میں رہا کرتے تھے اس وقت ہمارے والد کے حالات کچھ خاص نہ تھے مگر اس حالت میں بھی انھوں نے ہمیں اچھے اسکول میں داخل کرایا تھا اور ان کا حکم تھا کہ ہم کو اعلیٰ تعلیم حاصل کرنا ہی ہے۔اس کے لئے اکثر ہمیں ان کی ڈانٹ کھانی پڑتی تھی۔وہ جب بھی گھر میں داخل ہوتے ہم سہمے سہمے سے رہا کرتے کیوں کہ وہ چاہتے تھے کہ ہم ان کو ہر وقت پڑھائی کرتے ہوئے ملیں۔وہ ہر کسی کو ڈسپلن سکھاتے اور اسی ڈسپلن کی وجہ سے ہم تمام بھائی آج اعلیٰ تعلیم یافتہ اور برسرِ روزگار ہیں۔انھیں ہر شعبہ میں کامیابی پسند ہے وہ ہمیں بھی ہر امتحان میں کامیاب دیکھنا پسند کرتے تھے۔اسی وجہ سے ہم چاروں بھائی دل لگا کر پڑھائی کیا

کرتے تھے۔انھیں ہر سال اچھے ریزلٹ دکھانے پڑتے۔

وہ کہتے کہ محنت کرنا ہر انسان کے لئے ضروری ہے آگے اللہ کی مرضی۔ہم نے بچپن سے ان کو مشقت کرتے دیکھا ہے۔مجھے وہ دن بھی یاد ہیں جب کسمپرسی کے عالم تھا وہ پریشان رہا کرتے تھے لیکن انھوں نے ہماری تعلیم میں کبھی رکاوٹ نہیں آنے دی۔

ہمارے ابّو سماجی اور فلاحی کاموں میں کافی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا کرتے تھے۔وہ ٹریڈ یونین چلاتے،بڑے بڑے لوگوں میں ان کا اٹھنا بیٹھنا تھا۔وہ فخر سے کہتے کہ میرے بیٹے پڑھ لکھ کر ایک دن ضرور میرا نام روشن ضرور کریں گے۔

میں یہ بھی جانتا ہوں کہ کہ میرے والد اچھے شاعر اور افسانہ نگار بھی ہیں۔کبھی کبھی شعری نشستوں کا اہتمام ہمارے گھر پر بھی ہوا کرتا تھا۔جہاں بہت سے شعرا و ادبا شریک محفل ہوا کرتے تھے۔ ان کے دو شعری مجموعے بھی منظر عام پر آچکے ہیں۔یہ کتابیں دینا کی بڑی بڑی لائبریریوں میں محفوظ ہیں۔موجودہ کتاب "وطن سے دور" انہوں نے سعودی عربیہ کے سفر کے دوران اس کو قلمبند کیا سے۔دل کے آپریشن کے بعد وہ اپنی یادداشت کو رات دن ایک کر کے لکھا کرتے تھے۔آج ان کا یہ سفرنامہ مکمل ہو چکا ہے۔ہم چاروں بھائی ان کی اس کتاب کی اشاعت پر ان کو تہہ دل سے مبارکباد پیش کرتے ہیں۔اور رب العزت سے دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کا سایہ ہمارے سروں پر قائم رکھے۔

سرور حیدر انصاری

مقدمہ

من کہ حیدر ظہیر انصاری ۔میرے آباء واجداد لکھنؤ کے رہنے والے تھے ۔میری پیدائش ۱۹۳۳ء میں ہوئی ۔ماہم ممبئی کے علاقہ میں میرا بچپن گزرا ۔یہیں تعلیم وتربیت ہوئی ۔میرے اندر آج بھی اپنے اجداد کے کچھ لکھنوی انداز پائے جاتے ہیں ۔یہی میرے علمی اور ادبی زندگی کے گہوارہ ثابت ہوئے ۔میں نے ہوش سنبھالتے ہی اپنے ارد گرد غربت اور کسمپرسی کا ماحول دیکھا میری بھی خواہش تھی کہ میں بھی کچھ ایسا کام کروں کہ میرے لئے بھی دنیا کی نظروں میں عزت واحترام کا جذبہ پیدا ہو ۔اس لئے میں نے شروع سے ہی عوامی خدمت کو اپنی زندگی میں بسالیا اور خدمت خلق کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دیا۔

بچپن سے نوجوانی تک کا سفر کب ختم ہوا یہ پتہ ہی نہیں چل سکا لیکن جب مجھے ہوش آیا تو میں نے خود کو ٹریڈ یونین کے ایک لیڈر کی حیثیت سے پایا۔ ۱۹۷۸ء کا زمانہ تھا ۔اس وقت کانگریس کے جنرل سکریٹری آنجہانی ڈاکٹر شنکر دیال شرما کے زیر سایہ رہ کر ممبئی میں کئی فلاحی کاموں کو انجام دینے کا موقع ملا ۔اس وقت کے صدر جمہوریۂ ہند مرحوم فخرالدین علی احمد اور سابق وزیر اعظم محترمہ اندرا گاندھی جیسے لیڈران سے مسلسل ملاقاتیں ہوتی رہیں اور ان کے صلاح و مشورہ سے عوامی فلاحی کاموں کو آگے بڑھایا۔ دو تین بار الیکشن میں قسمت آزمائی لیکن

سیاست راس نہ آئی ۔بعد میں مستقل طور پر میرا روڈ میں سکونت اختیار کرلی اور آج بھی اسی میرا روڈ میں رہتا ہوں۔

یہاں ادب سیاست پہ غالب آگیا اور میں مکمل طور پر ادبی میدان میں طبع آزمائی کرنے لگا۔لکھنوی کلچر میری رگوں میں گردش کر رہا تھا اس لئے شعر وادب کے کو اپنالیا۔

طالب علمی کے زمانے سے شاعری کا ذوق رہا ہے ۔ماہم اور اٹاپ ہل علاقے میں قیام کے دوران ماہانہ نشستوں میں شریک رہا کرتا تھا۔طبیعت میں موزونیت تھی ذوق نے شوق کو ابھارا تو تخلیقی سرگرمیوں میں تیزی آئی ۔شاعری میں غزل کو ہی ذریعہ اظہار اپنایا۔ ۱۹۹۹ء میں پہلا شعری مجموعہ بساط حیدر کے نام سے شائع ہوا ۔اس کے بعد دوسرا مجموعہ کلیاتِ حیدر کے نام سے ۲۰۰۶ء میں شائع ہوا۔ یہ میری زندگی کے سفر کا ایک حصہ ہے۔

دوسرے حصہ کی طرف نظر دوڑائیں تو اس حصہ میں میری نجی زندگی ہے جہاں میری اہلیہ محترمہ نایاب جہاں جو زندگی کے ہر موڑ پر میری ساتھی میری غمخوار میری ہمنوا وہ ایک شوہر پرست خاتون ہے ۔اور میرے چار بیٹے اصغر انصاری ،سرور انصاری ،افسر انصای اور انور انصاری ۔اللہ نے مجھے نیک اور صالح اولاد سے نوازا ہے ۔سب سے بڑا اللہ کا کرم یہ ہوا کہ میرے تمام ہی فرزند اپنے ماں باپ کے نہایت ہی فرمابردار اور محبت کرنے والے ہیں ۔ان کی پرورش میں میری بیگم کا بہت بڑا ہاتھ ہے اور ماشاء اللہ میرے تمام بیٹے صوم وصلاۃ کے پابند اور پرہیزگار ہیں یہ اللہ تعالیٰ نے مجھے خدمت خلق کرنے کے طور پر انعام عطا کیا ہے ۔تمام بیٹے نہایت ہی قابل اور اپنے اپنے فن کے ماہر اعلیٰ تعلیم یافتہ اور برسر روزگار ہیں ۔اصغر انصاری دمام سعودی عربیہ میں سروس کرتا ہے ۔میرا دوسرا بیٹا انور انصاری الجوف انٹرنیشنل اسکول سعودی عربیہ میں ڈائرکٹر ہے جبکہ دو بیٹے میرا روڈ میں ہی ہیں اور وہ بھی اپنے کاروبار میں

مصروف رہ کر حلال روزی کما کھا رہے ہیں ۔ یہ سبھی خوش ہیں سب شادی شدہ ہیں اپنی بیوی بچوں کے ساتھ ہنسی خوشی زندگی گزار رہے ہیں ۔ ہم دونوں میاں بیوی جب جب اپنے بچوں اور ان کے بچوں کو دیکھتے ہیں تو ہم اللہ رب العزت کے شکر گزار ہو جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے اللہ یہ ترا ہی کرم ہے کہ تو نے ہمیں ایسی نیک اور صالح اولاد عطا کی کہ آج ہم ان کی خوشی میں شامل ہو کر تیرا شکر بجالاتے ہیں ۔

میری عمر اب اس درجہ کو پہنچ چکی ہے جسے ہم ضعیفی کہتے ہیں ۔کمزوری اور تھکن کا ہونا فطری بات ہے ۔اور جب کمزوری ہو تو نت نئی بیماریاں ضرور گھیر لیتی ہیں ۔ مجھے بھی یہی سب کچھ جھیلنا پڑا ۔ دو مرتبہ دل کا دورہ پڑا ۔ بعد میں آپریشن بھی کرانا پڑا ۔لیکن میں اپنی ان بیماریوں سے ہار ماننے کو تیار نہ ہوا ۔ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ میرا ویل پاور (قوت ارادی) نہایت قوی ہے ۔اس لئے ان بیماریوں کا مجھ پر زیادہ اثر نہیں پڑتا ۔میں آج بھی پہلے جیسا ہنس مکھ اور دوسروں کے درد کو اپنا درد سمجھتا ہوں ۔اور ان کی خوشی میں شریک ہوتا ہوں ۔میرے قریب کے احباب جانتے ہیں کہ میں نے کبھی کسی کی دل آزاری نہیں کی ہے ہر کسی کی پذیرائی کی ہے ۔

میری خواہش تھی کہ میں اپنی زندگی کے ان بچے ہوئے لمحات کو رقم کروں جہاں جاؤں وہاں کے حالات جاننے کی کوشش کروں وہاں کے کلچر کو دیکھوں اور وہاں کی تہذیب کو سمجھوں ۔اسی خواہش کے تحت میں نے پھر سے قلم اٹھایا اور اپنے ساتھ بیتے ہوئے ان لمحات کو اپنی نوک قلم سے رقم کرنا شروع کر دیا ۔ یہی میرا سفر نامہ ہے جو میں نے سعودی عرب کا دورہ کرنے کے وقت تحریر کیا تھا ۔

انسانی خواہشات اس کی اپنی صلاحیتوں اور ضرورتوں کے مطابق رونما ہوتی ہیں ۔اگر فنکار ہے تو وہ ضرور چاہے گا کہ اس کا فن بام عروج پر پہنچ جائے نہ صرف اپنے تئیں فن کی بلندیوں

کو چھو لے بلکہ چاہتا ہے کہ وہ اپنے فن کو اہل فن کے سامنے پیش کرے ۔انتہائی پریشان کن حالات کے باوجود بھی اس کی خواہش ہوتی ہے کہ اس کے فن سے دنیا متعارف ہو جائے اس لئے چند اوراق قلمبند کر کے اہلِ ذوق کے سامنے پیش کر رہا ہوں ۔اس امید کے ساتھ کہ آپ میرے ان دلی تاثرات اور جذبات کو سمجھ سکیں گے جو دوران سفر میں نے محسوس کئے تھے ۔

نوکِ قلم سے تو نے جو تحریر کر دیا
حیدرؔ تِری زبان کو خنجر کہا گیا

حیدظہیر انصاری حیدرؔ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وطن سے دور ایک سفرنامہ

(سعودی عربیہ)

فروری ۲۰۰۹ء کی ایک صبح میرے لئے درد و کرب کا سامان لے کر آئی۔ میرے سینے میں درد کی ٹیس اٹھ رہی تھیں۔ میرے گھر والے پریشان حال ادھر ادھر بھاگ دوڑ کر رہے تھے۔ تبھی مجھے وہ لوگ ایک کار میں ڈال کر جوہو کے ایک بڑے اسپتال کیٹی کیئر اسپتال لے جانے کے لئے چل دیئے۔ راستہ بھر میں درد سے تڑپ رہا تھا اور ساتھ ہی اپنے دل میں رب العزت سے یہ دعا کرتا جاتا تھا کہ اے اللہ میرا خاتمہ ایمان پر کرنا۔ میرے گناہوں کو بخش دینا۔ بار بار بیہوش ہو جاتا۔ اور ہر بار ہوش میں آنے کے بعد قرآن کی کچھ آیات جو مجھ کو یاد تھیں پڑھتا جاتا۔ آخر اسپتال پہنچ کر ڈاکٹروں نے میرا معائنہ کیا۔ اور یہ طے کیا کہ میری انجوگرافی اور انجوپلاسٹی اسی وقت ہونی چاہیے۔ کیوں کہ میرے دل کی چاروں رگیں بلاک ہو گئیں تھیں۔

ڈاکٹر ایم کے شاہ جو امراض قلب کے بہت بڑے ایکسپرٹ مانے جاتے ہیں۔ نے میرا معائنہ کیا اور مجھے کچھ ہدایات دیں۔ ساتھ ہی انھوں نے فرمایا کہ آپ بالکل فکر نہ کریں بس اپنے اللہ سے دعا کریں۔ میں نے ڈاکٹر صاحب سے کہا کہ مجھے اپنے اللہ پر پورا بھروسہ ہے آپ اپنا کام کیجئے اور وہ اپنا کام ضرور کرے گا۔ میرا آپریشن شروع ہوا۔ ڈاکٹر صاحب نے آپریشن کرنا شروع کیا۔ انہوں اپنی پوری کوشش کی میرا آپریشن کامیاب رہا۔ کئی گھنٹوں بعد

مجھے ہوش آیا۔ ڈاکٹر صاحب نے ہوش میں آنے پر مجھے بتایا کہ آپ کا اللہ پر بھروسہ، آپ کی ہمت اور آپ کی قوت ارادی کافی مضبوط ہے اسی وجہ سے آپ کو اس آپریشن میں کامیابی نصیب ہوئی ہے۔ میں نے بھی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ اس نے مجھے ایک اور زندگی عطا کی۔ کچھ دنوں بعد ڈاکٹر صاحب سے چند ہدایات لے کر اپنے گھر واپس آگیا۔

میرے فرزند انور انصاری جو سعودی عرب کی ایک بڑی اسکول جس کا نام الجوف انٹرنیشنل اسکول ہے میں ڈائرکٹر کے عہدے پر فائز ہے۔ وہ بھی بار بار اسرار کر رہا تھا کہ میں کچھ وقت ان کے ساتھ گزاروں۔ آرام کرنے کی خاطر میں نے ان کا یہ مشورہ مان لیا کہ یہاں کی گھما گھمی سے تو بہتر ہے کہ میں سعودی عرب جا کر اپنے بیٹے کی فیملی کے ساتھ کچھ وقت گزاروں تا کہ مجھے سکون ملے۔

سفر کی تیاری

میرے بیٹے انور نے مارچ ۲۰۰۹ء میں میرے اور میری اہلیہ کے لئے سعودی عرب کا ویزا بھیجا۔ اور ساتھ ہی ٹکٹ بھی ۱۴/مارچ کا کنفرم کرا کے بھیجا تھا۔ اب ہمیں ڈاکٹر کے مشورہ سے سفر شروع کرنا تھا۔

ڈاکٹر کی اجازت سے ہم نے سفر کی تیاری شروع کر دی۔ آپریشن کی وجہ سے میرے اندر کافی کمزوری اور نقاہت پیدا ہو گئی تھی۔ سب کا خیال تھا کہ شائد وہاں جا کر تھوڑی طبیعت ضرور سنبھل جائے گی اور آب و ہوا تبدیل ہو گی تو صحت بھی اچھی ہو جائے گی۔

آخر وہ دن بھی آگیا ۱۴/مارچ کو دوپہر میں تین بجکر ۱۵ منٹ پر ہم میرا روڈ سے گاڑی میں سوار ہوئے نریندر پارک جہاں میری رہائش ہے وہاں اور اطراف کے کافی لوگوں سے اچھی واقفیت تھی۔ بہت سے احباب ہمیں الوداع کہنے کے لئے تشریف لائے تھے۔

سب سے گلے ملا اور زندگی رہی تو پھر ملنے کا وعدہ کیا۔ نریندر پارک کے گیٹ سے جب گاڑی باہر روڈ پر آئی تو میں نے ایک حسرت بھری نگاہ اپنی اس رہائش گاہ کی طرف ڈالی کہ کیا معلوم اس کو آخری مرتبہ دیکھ رہا ہوں کہ کیا معلوم اللہ تعالیٰ مجھے اپنی سرزمین پر بلا رہا ہے۔ کہ یہاں پر پھر آنا ہو یا نہ ہو۔

نریندر پارک کے باہر روڈ پر گاڑی چلی جارہی تھی مجھے یاد آرہا تھا کہ اس علاقہ میں ادھر ادھر گھوم پھر کر لوگوں سے ملا کرتا تھا۔ سامنے شمس مسجد کا عظیم الشان بلند دروازہ دیکھ کر میں اپنے جذبات کو نہ روک سکا۔ روزانہ پانچوں وقت شمس مسجد میں نماز ادا کرنے جاتا تھا۔ وہاں بہت سے احباب سے ملاقات ہوتی تھی۔ اسی شمس مسجد کے بائیں جانب والی گلی کے کنارے ایک کونے میں مجھے میرا وہ کالا بورڈ بھی نظر آگیا جس پر میں ہمیشہ احادیث لکھوایا کرتا تھا۔ بہت سے لوگ وہ حدیثیں پڑھ کر اپنی عاقبت سنوارتے تھے اور مجھے دعائیں دیتے تھے میں نے آخری مرتبہ اس کالے پتھر کے بورڈ کو الوداع کہا اور آگے بڑھ گیا۔

مسجد کے آگے میرا روڈ کی عظیم شخصیت مظفر حسین اور ان کے والد نظر حسین کے بنگلے ہیں جہاں ہر وقت لوگوں کا ہجوم لگا رہتا ہے۔ کبھی کبھی کانگریس کی میٹنگوں میں میں بھی شریک ہوا کرتا تھا

مظفر حسین کانگریس کے بڑے لیڈروں میں گنے جاتے ہیں وہ ایم ایل سی بھی رہ چکے ہیں۔ ان کے والد نظر حسین ایک جہاندیدہ شخصیت کے مالک ہیں میرا روڈ کی تعمیر میں ان دونوں حضرات کا بہت بڑا ہاتھ رہا ہے۔ جو آج مسلمانوں کی ایک بہت بڑی بستی کی شکل میں اختیار کر چکی ہے۔ میں نے گاڑی کی کھڑکی سے ایک سرسری نظر ان حضرات کے مکانوں کی طرف ڈالی۔ اسوقت وہاں سناٹا تھا۔

گاڑی آگے بڑھ رہی تھی میرا روڈ کی بلند و بالا عمارتیں سر اٹھائے کھڑی تھیں۔ ہم آگے بڑھ رہے تھے۔ ہماری منزل اس وقت ممبئی کا چھترپتی شیواجی انٹرنیشنل ایئرپورٹ تھا جہاں سے ہماری اڑان سعودی عرب کی جانب روانہ ہونے والی تھی۔

میرا روڈ کے آخری سرے پر پہنچ کر ہم بوریولی ہائی وے کی جانب بڑھ رہے تھے۔ ہائی وے اس وقت پوری آب و تاب سے ہزاروں گاڑیوں کو اپنے اوپر سے گزرنے کی اجازت دے رہا تھا۔ اندھیری پہنچ کر ہم نے سہار ائرپورٹ کی جانب رخ کیا۔ گاڑی تیز رفتاری کے ساتھ بڑھی جارہی تھی۔ آخر کار ہم نے سہار ائیرپورٹ تک کا سفر بہت آسانی سے پورا کر ہی لیا۔

کار سے اتر کر میں اور میری اہلیہ نے اپنے سامان کو سمیٹا اور ہوائی اڈے تک چھوڑنے آئے ہوئے اپنے بچوں کو الوداع کہہ کر میں نے اپنی اہلیہ کے ساتھ ایئرپورٹ کے ۷ نمبر کے گیٹ میں داخل ہوگیا۔

ہوائی جہاز میں

ضروری کاغذی کارروائی اور مختلف ادوار سے گزرنے کے بعد آخر کار ٹھیک ۷ بجکر ۴۹ منٹ پر ہم دیگر مسافروں کے ساتھ جہاز میں داخل ہوئے۔ یہ سعودی ائرلائنز کا جہاز جمبوجیٹ تھا جس میں تقریباً ۵۰۰ مسافروں کے بیٹھنے کی گنجائش تھی جہاز کے اندر ہلکی روشنی اور سیٹوں پر بیٹھے مسافر اور اِدھر اُدھر گھومتی ایئرہوسٹیس ایک عالیشان منظر لگ رہا تھا۔ اس جہاز میں ہر کوئی اپنی سیٹ کی تلاش میں سرگرداں تھا ہم کو بھی آخر ہماری سیٹ مل گئی میں کھڑکی والی سیٹ پر بیٹھ کر جہاز کے باہر کا نظارہ دیکھ رہا تھا۔ پورے ایئرپورٹ پر مختلف ممالک سے آئے ہوئے ہوائی جہاز کھڑے تھے۔ ایئرپورٹ کا عملہ چاک و چوبند اپنے کاموں پر معمور

تھا۔ چھوٹی بڑی گاڑیوں میں سامان ادھر سے ادھر لایا لے جایا جارہا تھا۔

ہم نے اپنی اپنی سیٹ بیلٹ کس کر باندھ لیں۔ جہاز کے تمام دروازے بند ہوئے جہاز کے کیپٹن نے عربی اور انگریزی میں اعلان کیا کہ وہ اس جہاز کا کیپٹن ہے اور یہ جہاز ریاض ایئر پورٹ کی دوری چار گھنٹہ ۲۵ منٹ میں طے کرے گا۔ اور ساتھ ہی تمام مسافروں سے سفر کی دعا پڑھوائی گئی۔ اس کے بعد جہاز حرکت میں آیا۔ آہستہ آہستہ اپنے رن وے پر آ کر کھڑا ہوگیا۔ اور اشارہ پاتے ہی اپنی پوری رفتار سے ایک سمت میں تیزی سے دوڑنے لگا۔ اور پھر ایک ہلکے سے جھٹکے کے ساتھ ہوا میں معلق ہوگیا۔ یہ جمبو جیٹ جہاز کافی بڑے اور کشادہ ہوتے ہیں اس کے پر تقریباً ۵۰ فٹ لمبے ہوتے ہیں ہوا میں لہراتے ہوئے پر جب اوپر نیچے کی طرف جھکتے ہیں تو دل کی دھڑکنیں تیز ہو جاتی ہیں۔

جہاز پوری رفتار سے اوپر کی طرف جارہا تھا۔ میں نے نیچے کھڑکی سے دیکھا تو ممبئی رات کی روشنی میں جھلملا رہی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا کہ گویا ہم چھوٹے چھوٹے ستاروں کے جھرمٹ کے اوپر اڑ رہے ہوں۔ نیلے ہرے اور سنہرے رنگ کے قمقموں کے رنگوں کا امتیاز آنکھوں کو اچھا لگ رہا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ اس وقت ہم جوہو کی طرف سے جارہے ہیں۔ نیچے سڑکوں کی لائٹ اور اُن پر دوڑنے والی گاڑیاں بچوں کے چھوٹے چھوٹے کھلونوں کی مانند چلتی ہوئی نظر آرہی تھیں۔ آہستہ آہستہ یہ رنگ برنگی روشنیاں نظروں سے دور ہوتی چلی جارہی تھیں۔

نیچے گھپ اندھیرا تھا۔ ہم اوپر ہزاروں فٹ اونچائی پر سفر کررہے تھے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی تخلیقی قوت کا اظہار تھا۔ میرا دل اللہ تعالیٰ کی طاقت کے احساس سے بھر گیا۔ قوت کے چند ذرے اس نے اپنی مخلوقات میں سے صرف انسان کو عطا کیئے ہیں جس کی بدولت ہمیں یہ سب

سائنسی ترقی نظر آتی ہے۔ انسان کو اس نعمت کا شکر ادا کرنا چاہئے نہ کہ کسی محدود سی قوت کے بل بوتے پر خدا کا مقابلہ کرنے کے لئے کھڑا ہو جائے۔ دنیا میں پانی اور خشکی دو متضاد چیزیں ہیں جو دونوں ایک ساتھ رہتے ہوئے بھی ایک دوسرے کے ساتھ جڑے ہوئے ہیں۔ یہی اس دنیا کا معاملہ ہے۔

اگرچہ اس دنیا میں بسا اوقات بالکل ہی متضاد مزاج کے انسانوں سے واسطہ پڑتا ہے اگر یہی انسان اپنے اختلافات کے باوجود ایک دوسرے کے ساتھ چلنے پر آمادہ ہو جائیں تو پھر انسانیت اجتماعی طور پر ترقی کرتی چلی جاتی ہے۔ جیسے پانی اور خشکی میں تصادم ہو جائے تو پھر طوفان آجاتا ہے بالکل اسی طرح اگر انسان ایک دوسرے کو نیچا دکھانے پر تل جائے تو پھر انسانیت کی ترقی کا سفر معکوس سمت میں چل پڑتا ہے اور تباہی و بربادی اس کا مقدر بنتی ہے۔

جس طرح پانی اور خشکی ایک دوسرے میں گندھے ہوئے ہیں بالکل اسی طرح نیکی اور بدی اس دنیا میں ایک دوسرے کے پہلو بہ پہلو موجود ہے۔ یہ معاملہ اس وقت سے ہے جب سے یہ دنیا بنی ہے۔ اس دنیا سے برائی کو مکمل ختم کرنا ممکن نہیں ہے۔ یہ دنیا انسان کے امتحان کے لئے بنی ہے۔ نیکی اور بدی کا وجود اس امتحان کے لئے ضروری ہے لیکن انسان کی حقیقی زندگی میں برائی کو مکمل طور پر ختم کردیا جائے گا اس زندگی کو دین میں ''جنت'' کے نام سے تعبیر کیا گیا ہے۔

جہاز کا عملہ ہمارے لئے کھانے کا اہتمام کررہا تھا۔ کھانے کی عمدہ خوشبو پورے جہاز میں پھیلی ہوئی تھی اس خوشبو سے ہم سب کو بھوک بھی محسوس ہونے لگی تھی بڑی بڑی ٹرالیوں میں ٹرے میں سجایا ہوا کھانا تمام مسافروں کو پیش کیا جارہا تھا۔ سبھی لوگ اپنے اپنے سامنے

آنے والی ٹرے سے کھانا نکال کر کھا رہے تھے۔ ہم نے بھی اپنی ٹرے کو کھول کر دیکھا اس میں تین قسم کے پکوان موجود تھے۔ نہایت خوش ذائقہ پلاؤ، گوشت، دال، سبزی، اور ایک عدد میٹھا بھی تھا بڑی نفاست سے سب کو کھانا کھلایا جا رہا تھا۔

کھانا کھانے کے بعد بہت ہی سلیقے سے تمام سامان اٹھا لیا گیا۔ بعد میں وہ لوگ چائے اور کافی سرو کرنے لگے۔ کچھ لوگ کھانا کھا کر اپنی سیٹوں پر سر کو ٹکائے غنودگی میں چلے گئے تھے کچھ چائے کافی کی چسکیوں میں اپنا وقت کاٹ رہے تھے۔

جہاز میں سمت اور رفتار بتانے والا میٹر لگا ہوا تھا جو بتا رہا تھا کہ ہمارا جہاز کتنی بلندی پہ پرواز کر رہا ہے اور نقشہ بتا رہا تھا کہ ہم کہاں سے گزر رہے ہیں۔

اب ہم متحدہ عرب امارات کے علاقے سے گزر رہے تھے۔ ہمارے دائیں جانب ایران کا علاقہ تھا اور بائیں جانب عمان کے ساحلی علاقے تھے۔ بحیرۂ عرب یہاں تنگ ہونا شروع ہوتا ہے۔ یہ تمام معلومات جہاز میں لگے ہوئے نقشے میں موجود تھیں جو گوگل ارتھ کی طرح جہاز میں موجود بڑی سی اسکرین پر ہمیں مل رہی تھیں۔

عرب ممالک میں عمان نسبتاً سر سبز اور سبزہ دار ملک ہے۔ اس میں چھوٹے چھوٹے پہاڑ ہر دور میں سبز ہی نظر آتے رہتے ہیں۔ عمان سے گزر کر ہم متحدہ عرب امارات کے علاقے سے گزرتے ہوئے سعودی عرب میں داخل ہو رہے تھے۔ ہمارے نیچے سعودی عرب کا سب سے بڑا صحرا تھا۔ جو ربع الخالی کہلاتا ہے۔ یہ سعودی عرب کے تقریباً ۵۲ فیصد حصے پر مشتمل ہے اور اس میں کوئی آبادی موجود نہیں ہے۔ یہ علاقہ تیل کی دولت سے مالا مال ہے۔ یہاں صرف سعودی آرام کو کمپنی کے انجینئر پوری تیاری کے ساتھ بڑی بڑی گاڑیوں یا ہیلی کوپٹروں کے ذریعہ آتے جاتے ہیں۔ وقت کیسے بیت گیا پتہ ہی نہ چلا ہم جہاز میں لگے گوگل

میپ میں اسقدر کھو گئے کہ چار گھنٹے کب بیت گئے پتہ ہی نہ چلا۔ جہاز اب آہستہ آہستہ نیچے کی طرف آ رہا تھا کیپٹن نے اعلان کیا کہ کچھ ہی دیر میں ہم ریاض کے ہوائی اڈے پر اتریں گے آپ اپنی سیٹ بیلٹ باندھے رہیں۔

سر زمین عرب پر پہلا قدم

چند منٹ بعد جہاز لینڈ کر گیا۔ ایک جھٹکا لگا اور پھر جہاز رن وے پر تیزی کے ساتھ دوڑنے لگا یہاں تک کا سفر کرنے میں چار گھنٹہ پندرہ منٹ کا وقفہ لگا۔ کچھ دیر بعد ہم اپنی سیٹوں کو چھوڑ کر باہر کی طرف بڑھنے لگے۔ باہر آ کر امیگریشن وغیرہ کے مراحل سے گزر کر ایئر پورٹ سے باہر آ گئے۔ سب سے پہلے ہم نے یہاں اترتے ہی ایک سم کارڈ خرید کر اپنے موبائیل فون میں ڈالا اور باہر ہمارے استقبال کو آئے ہوئے ہمارے فرزند اصغر انصاری کو اطلاع دی کہ ہم خیریت سے ریاض کے ایئر پورٹ پر آ گئے ہیں۔

اصغر انصاری نے ہمیں دیکھتے ہی جوش کے ساتھ گلے لگا لیا۔ اس کی خوشی کا ٹھکانہ نہ تھا۔ اپنے ماں باپ کو کافی دنوں بعد جو دیکھا تھا۔ فرطِ مسرت سے ہم سب کی آنکھیں نم ہو گئیں۔

یہ ایئر پورٹ ہمارے لئے نیا تھا۔ اس سے پہلے سعودی عرب کا سفر ہم نے حج بیت اللہ کے لئے کیا تھا اس وقت ہم لوگ صرف مکہ اور مدینہ تک ہی محدود رہے تھے یا پھر اس کے ان مقدس مقامات کی زیارت کی تھی جو اسی علاقے کے قریب واقع تھے۔

ریاض سے ہمیں دوسری فلائیٹ پکڑنی تھی الجوف کے لئے۔ جو یہاں سے تقریباً ۱۵۰۰ کلو میٹر کے فاصلہ پر تھا۔

ہمارے فرزند اصغر انصاری نے بتایا کہ وہ صبح صادق سے ہوائی اڈے پر کھڑا ہمارا

انتظار کررہا تھا۔ یہاں پر تقریباً چار دنوں سے پیلی مٹی کی آندھیاں چل رہی تھیں اس آندھی کی وجہ سے پورے شہر میں دھول اور مٹی کے غبار نظر آرہے تھے۔ ہماری دوسری فلائیٹ رد کردی گئی تھی۔ ہم لوگ کافی فکرمند ہوئے کہ اب کیا ہوگا لیکن اللہ کا کرم یہ ہوا کہ یہ آندھی صبح سے چلنا بند ہوگئی۔ مطلع صاف نہیں تھا ہر طرف دھند کے جیسا ماحول تھا۔ اللہ اللہ کرے ہماری فلائٹ کا اعلان ہوا۔ ہم لوگ طیارہ میں سوار ہوئے۔ پرواز کے دوران باہر کا مطلع صاف نہیں دکھائی دیتا تھا۔ طیارہ ۲۵۰۰۰ فٹ کی بلندی پر پہنچا تو نیچے دھند کے پہاڑ نظر آرہے تھے۔ ایک گھنٹہ ۳۰ منٹ بعد ہم الجوف کے ایئر پورٹ پر اتر گئے۔ باہر ہمارا دوسرا فرزند انور انصاری موجود تھا جس نے ہمیں خوشی خوشی گلے لگایا اور پھر اپنی نجی کار میں بٹھا کر اپنے بنگلہ کی طرف روانہ ہوا۔

اپنے آشیانہ پر

الجوف ہمارے لئے ایک نیا شہر تھا۔ یہ سعودی عرب کا شمالی علاقہ ہے یہاں سے دوسرے ممالک ۵۰۰ کلومیٹر کی دوری پر واقع ہیں یعنی عراق بھی یہاں سے پانچسو کلومیٹر دور ہے۔ اردن بھی پانچسو کلومیٹر دور ہے۔ کویت ۴۰۰ کلومیٹر دور ہے لیکن مدینہ منورہ اس کے جنوب میں واقع ہے جو یہاں سے ایک ہزار کلومیٹر ہے۔ الجوف سرحدی علاقہ ہے۔ یہ ڈسرکٹ ہے۔ یہ علاقہ السکا کا کے نام سے جانا جاتا ہے۔ دوسرے علاقوں کے نسبت یہ سرد علاقہ ہے۔ ال سکا کا شہر کافی بڑا اور کشادہ ہے۔

الجوف میں ہمارا فرزند انور انصاری ایک انٹرنیشنل اسکول میں ڈائرکٹر اور پرنسپل ہے۔ اس اسکول میں دنیا کی بہت سی زبانیں پڑھائی جاتی ہیں۔

سعودی عرب میں صفائی کا خاص خیال رکھا جاتا ہے۔ یہاں ہر چیز تازہ ملتی ہے اور

اصلی ملتی ہے جبکہ ہمارے ملک میں صفائی نام کو بھی نہیں ہے۔

یہاں پر گاہکوں کا خاص خیال رکھا جاتا ہے۔ بڑے بڑے سوپر مارکیٹ اور مال موجود ہیں جو ہزاروں فٹ میں پھیلے ہوئے ہیں۔ جن میں کم وبیش تین ہزار ورائٹی ملتی ہیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے گویا ہم لندن اور امریکہ میں ہیں۔

سعودی عرب میں ہندوستانی، پاکستانی اور بنگالی کام کرتے ہوئے نظر آئیں گے۔ دفاتر میں اعلیٰ عہدوں پر زیادہ تر سعودی، مصری، لبنانی اور ہندوستانی افراد کام کرتے ہیں بہت قلیل تعداد میں امریکی اور یوروپی افراد بھی ہیں جو اعلیٰ ترین عہدوں پر کام کرتے ہیں۔

دفاتر اور اسپتالوں میں نچلے عہدوں پر بہت سے فلپائنی بھی کام کرتے ہیں۔ یہ بڑی دلچسپ اور محنتی قوم ہے۔ ان کے زیادہ تر مرد موٹر مکینک اور خواتین نرس ہوتی ہیں۔

یہاں دفاتر میں مصری بکثرت پائے جاتے ہیں عرب ممالک میں مصر ایک غریب ملک ہے اور یہاں تعلیم کی فراوانی ہے۔ اس لئے یہ لوگ دفتری کام کرلیتے ہیں۔ دیگر عرب کمیونٹیز میں شامی اور لبنانی بھی شامل ہیں یہ لوگ عموماً بہت خوبصورت ہوتے ہیں۔ افریقی عرب بھی یہاں کثرت سے آباد ہیں۔ یہ لوگ یہاں زیادہ تر محنت مزدوری کرتے ہیں۔

سعودی حکومت

سعودی عرب کی حکومت اپنے بے روزگار نوجوانوں کو روزگار فراہم کرنا چاہتی ہے۔ اس مقصد کے لئے تمام سرکاری اداروں میں نئے ملازم صرف سعودی ہی رکھے جارہے ہیں۔ اور اس بات کا خاص خیال رکھا جارہا ہے کہ ہر محکمہ میں سعودی ملازمین نظر آنے ہی چاہئیے تاکہ یہاں کے نوجوانوں کو نوکریاں مل سکیں۔

سعودی عرب میں سلفی نقطۂ نظر سے تعلق رکھنے والوں کی حکومت ہے۔ علماء کا حکومتی

معاملات میں کافی عمل و دخل ہے ۔تمام مساجد سرکاری کنٹرول میں ہیں جس کی وجہ سے ہمارے یہاں کی طرح مسلکی اختلافات کے جھگڑے نہیں ہوپاتے ۔حکومت کاایک محکمہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر ہے اس کے اہل کار"مطوع" کہلاتے ہیں ۔ یہ سڑکوں پر گشت کرتے رہتے ہیں ۔اورکسی ایسے شخص کو جس نے ان کے نزدیک قابل اعتراض حرکت کی ہو گرفتار کرلیتے ہیں ۔سعودی پولس ہمارے یہاں کی نسبت کچھ بہتر ہے ۔عام طور پر کسی کو تنگ نہیں کرتی لیکن کبھی کبھارا گر کوئی ان کے نرغے میں آجاتا ہے تو اسے اپنی جان بچانا مشکل ہوجاتا ہے ۔ان کے آفیسر تک انگلش زبان ناواقف ہوتے ہیں ۔اس لئے اگر کوئی ان کے قبضے میں آجائے تو اسے اس وقت تک انتظار کرنا پڑتا ہے ۔جب تک کوئی ترجمہ کرنے والا نہیں آجاتا۔جو عربی اور دوسری زبان سے واقفیت رکھتا ہو۔

سعودی خواتین عموماً مغربی لباس پہنتی ہیں لیکن باہر نکلتے ہوئے یہ برقع ضرور پہن لیتی ہیں جو"عبایہ" کہلاتا ہے اسی لئے یہاں بے حیائی نظر نہیں آتی گھر کے اندر یہ خواتین اپنے سسر ، دیوار اور چچازاد بھائیوں سے بھی پردہ کرتی ہیں ۔ان کی معاشرت میں ایک اچھی چیز یہ ہے کہ شادی کے وقت ہی والدین اپنی اولاد کو الگ کردیتے ہیں جس کی وجہ سے ان کے یہاں ساس بہو ، نند بھابھی اور دیورانی جٹھانی کے جھگڑے نہیں ہوتے ۔ جبکہ ہمارے یہاں جائنٹ فیملی سسٹم کی وجہ سے آپس کے جھگڑے اتنے زیادہ ہوتے ہیں کہ خواتین بے چاری بس گھٹ گھٹ کر زندگی گزارتی ہیں۔

حالیہ دنوں میں سعودی معاشرے میں ایک تبدیلی رونما ہورہی ہے ۔معاشرہ اب لبرل ازم کی طرف جارہا ہے شخصی آزادیوں میں اضافہ ہورہا ہے ۔غیر ملکیوں کے کاروبار کرنے پر پابندی عائد ہے ۔موجودہ سعودی حکمراں شاہ عبداللہ ملک کو ترقی یافتہ بنانے کے لئے ہر ممکن

کوشش کررہے ہیں ۔انھوں نے متعدد مقامات پر بڑی بڑی انڈسٹریل اسٹیٹس قائم کی ہیں جن میں غیر ملکی سرمایہ کاروں کو سرمایہ لگانے کے لئے راغب کیا جارہا ہے۔

سعودی عرب میں اسلامی قوانین کا خاص خیال رکھا جاتا ہے ۔اوراس پر سختی سے عمل بھی کرایا جاتا ہے ۔ یہاں احکام خداوندی اور فرمان رسول کا ہی بول بالا ہے ۔سعودی عرب کا قانون قرآن اور حدیث پہ قائم ہے ۔کوئی فرد اس کے خلاف کچھ کرنا چاہے تو یہ نہ ممکن ہے ۔اگر کسی نے احکام شریعت کی خلاف ورزی کی تو اس کو قتل کی سزادی جاتی ہے۔

مہمان نوازی

یہاں کے لوگ بہت مہمان نواز ہیں ۔اپنے مہمان کا خاص خیال رکھتے ہیں ۔اس کو کسی قسم کی تکلیف پہنچانا گویا ان کے لئے اپنے آپ کو سزادینے کے مترادف ہے۔

مجھے یہاں آئے صرف تین دن ہی ہوئے تھے ۔ پورا شہر گھومنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا ۔ایک دن میرے فرزند انور انصاری نے مجھے اپنے اسکول کا معائنہ کرنے کی دعوت دی ۔ اسکول ہمارے قریب ہی واقع تھا۔اس کے چاروں طرف بیس بیس فٹ اونچی دیواریں اور دو بڑے بڑے گیٹ جس کی وجہ سے اس کے اندر کا ماحول نظر نہیں آرہا تھا جبکہ میں روزانہ اسی اسکول کے پاس سے گزرتا تھا۔مسجد جانے کے لئے ۔اندر کیا ہے مجھے اس کا علم نہیں تھا۔

صبح جب اسکول کھلنے کے بعد میں اپنے فرزند انور انصاری کے ہمراہ اسکول کے ایک گیٹ سے داخل ہوا تو اندر کا نظارہ دیکھ کر ششدر رہ گیا۔ یہ اسکول کیا تھا کسی بڑے بادشاہ کے محل کی طرح تھا۔اندر جا کر معلوم ہوا کہ اس اسکول میں دس زبانیں فرنچ ، انگلش ، اردو ، عربی ، بنگالی اور نہ جانے کیا کیا پڑھائی جاتی ہیں ۔ یہاں ۱۴ ممالک کے طلبہ اور طالبات تعلیم حاصل کرتے ہیں۔

لڑکوں اورلڑکیوں کے احاطہ کے درمیان ایک اونچی دیوار ہے۔دونوں کے لئے الگ الگ گیٹ ہیں ۔یعنی لڑکے اورلڑکیاں آپس میں مل ہی نہیں سکتے دونوں کے ہی اوقات الگ الگ ہیں ۔یہی وجہ ہے کہ یہاں ہمارے ہندوستان کی طرح طلبہ اور طالبات میں پیدا ہونے والی بے ہودگی نہیں پائی جاتی۔بہت سختی سے اسلامی قوانین پر عمل کرایا جاتا ہے ۔اسکول میں عالیشان طرز کے کمرے بنے ہیں ۔کھیل کے میدان، لائبریری، سائنس کے طلبہ کے لئے بہت ہی جدید طرز کی لیباریری کمیسٹری، بائیلوجی، اور دیگر امور کے لئے الگ الگ سیکشن موجود ہیں ۔کمپیوٹر روم دیکھ کر حیرت میں پڑ گیا ایسا لگ رہا تھا ۔کہ کسی کارپوریٹ آفس میں آ گئے ہوں جہاں سیکڑوں کمپیوٹر موجود ہیں ۔طلبہ اور طالبات الگ الگ اوقات میں یہاں آتے ہیں اور اپنی تعلیم مکمل کر لیتے ہیں ۔بچوں کے لئے طرح طرح کے کھیل کود کے سامان یہاں مہیا تھے ۔فٹ بال گراؤنڈ جس کے چاروں طرف اسٹیل کی جالی لگی ہوئی تھی عمدہ فرش ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ یہاں پر ہی رہ لیا جائے ۔یہاں پر اعلیٰ تعلیم کا انتظام ہے ۔اسکول کے اطراف کی آبادی پوش افراد پر مشتمل ہے ۔اعلیٰ عہدوں پر فائز لوگ یہاں آباد ہیں ۔زیادہ تر یہ عرب ہیں یا غیر ممالک سے آئے ہوئے کسی بڑی کمپنی کے مینیجر یا اس سے بھی بڑے عہدوں پہ فائز لوگ اپنے بچوں کو اس اسکول میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے بھیجتے ہیں ۔اس لئے اس اسکول کو اتنا عالیشان بنایا گیا ہے ۔یہ اسکول تقریباً تین ایکڑ پر پھیلا ہوا ہے۔

میرے فرزند انور انصاری کے اوپر اس اسکول کی پوری ذمہ داری عائد ہے۔وہ پوری محنت اور ایمانداری سے اپنے فرائض انجام دیتے ہیں ۔اس علاقہ میں ان کی بہت عزت ہے ۔ہم اسکول کا دورہ کر ہی رہے تھے کہ اسی دوران اس علاقے کے رئیس جناب سعود المشیر جو

یہاں کے پرانے اور خاندانی لوگ ہیں ہمارے فرزند سے ملنے تشریف لائے میرا جب ان سے تعارف کرایا گیا وہ بہت احترام سے مجھ سے ملے اور فوراً اپنے گھر آنے اور ساتھ میں کھانا کھانے کی دعوت دے دی ۔اور بضد ہوئے کہ ہمارے یہاں آپ کو آنا ہی پڑے گا۔

سعود المشیر کے اجداد یہاں پر بہت پہلے سے آباد تھے ۔اسی لئے اس علاقہ کا نام المشیر ی پڑ گیا۔ہم نے ان کی دعوت قبول کی۔تیسرے روز ان کے یہاں گئے۔ان کا بنگلہ کیا تھا گویا ایک عالیشان محل تھا۔ان کا خاندان یہاں پر تقریباً ۲۰ بنگلوں پر مشتمل تھا۔اس خاندان کے تمام افراد تجارت کرتے ہیں۔ان کے بنگلہ میں داخل ہوئے تو بہت ہی احترام کے ساتھ گلے ملے نشت گاہ میں بٹھایا۔قہوہ پیش کیا۔اس دوران خوب باتیں بھی ہوئیں۔بعد میں کھانا لگایا گیا۔کھانا کیا تھا ایک بڑے دستر خوان پر انواع واقسام کے پکوان سجے ہوئے تھے۔کافی سیر ہو کر کھانا کھایا۔ان سے مل کر کافی اچھا محسوس ہوا۔

ال سکا کا پہلے گاؤں تھا بعد میں ایک عمدہ شہر کا روپ اختیار کر چکا ہے یہاں دیگر شہروں کی طرح اونچی اونچی عمارتیں نہیں ہیں بلکہ زیادہ تر بنگلے اور چار منزلہ عمارتیں ہیں یہاں سات اسپتال اور درجنوں سوپر مارکیٹ ہیں ۔یہاں کا درجہ حرارت دیگر مقامات کے بہ نسبت مختلف ہے کبھی کبھی تو گرمی ہوتے ہوتے اچانک ماحول سرد ہو جاتا ہے۔اور کبھی تیز ہوائیں چلتی ہیں ۔آندھی طوفان کی طرح چلتی ہے ۔بارش شروع ہو جاتی ہے بڑے بڑے اولے گرتے ہیں اور کبھی اس قدر گرمی پڑتی ہے کہ یہاں کا درجہ حرارت ۵۰ سے ۶۰ ڈگری تک پہنچ جاتا ہے۔

ہمارے گھر کے قریب ایک بہت بڑا مزرا ہے ۔یہاں باغ کو مزرا کہتے ہیں ۔مزرا میں کھجور کے درخت لگائے جاتے ہیں جن کی لمبی لمبی قطاریں اور بیچ میں ہریالی رہتی ہے یہ

سماں کافی اچھا لگتا ہے ۔ یہاں آ کر کافی سکون ملتا ہے ۔کھجور کی ایک ٹہنی میں کم وبیش سیکڑوں کھجوریں لگی رہتی ہیں ۔زیادہ تر اپنی زمینوں پر لوگ یہاں کاشتکاری کرتے ہیں ۔کسانوں کے پاس ٹویٹا کاریں ہیں جن میں وہ سبزیاں بھر کر مارکیٹ میں لے جاتے ہیں ۔

ال سکا کا سعودی عرب کا سرحدی علاقہ ہے یہاں سے ۵۰ کلو میٹر دور صحرا ہے جو سعودی عرب کا سب سے خطرناک علاقہ کہلاتا ہے ۔جہاں دور دور انسانوں کا نام ونشاں تک نہیں ملتا ۔تمام علاقوں سے لوگ یہاں سامانِ تجارت لاتے اور لے جاتے ہیں یہی وجہ ہے کہ یہاں پہ رہنے والے اچھے تاجر ہونے کے ساتھ ساتھ اچھے انسان بھی ہیں ۔وہ ہر کسی کی خوشی میں شامل ہوتے ہیں ۔اور رنج میں رنجیدہ ہوتے ہیں ۔ ہمارے اسکول کو چلانے والا کفیل ڈاکٹر مبارک .بہت عمدہ قسم کا انسان ہے ۔وہ ایک قابل اور لائق پروفیسر ہے ۔کافی مالدار ہے ۔اس نے اس اسکول کو دو کروڑ ریال دیئے اور بھی امداد کرتے رہتے ہیں ۔ان کے زیر اہتمام .بہت سارے ادارے چلتے ہیں جن کی وہ وقتاً فوقتاً مدد کرتے رہتے ہیں ۔ وہ ایک پروفیسر ہوتے ہوئے ایک اچھے تاجر اور محنتی انسان ہیں ۔اللہ ان کے مال میں برکت عطا فرمائے ۔

عمرہ کے لئے سفر

ال سکا کا میں آئے ہوئے تقریباً سات روز ہو چکے تھے ۔ پورا شہر اچھی طرح گھوم پھر لیا تھا ۔اب ہمیں عمرہ کرنا تھا ۔ یہاں سے ہمیں پہلے مدینہ جانا تھا کیونکہ یہاں سے مکہ جانے میں پہلے مدینہ پڑتا ہے اس کے بعد مکہ جانا تھا ۔اس لئے ہماری تیاری .بہت زور وشور سے چل رہی تھی ۔سفر کافی طویل تھا اور دقوں بھرا تھا ۔راستہ صحرا میں سے ہو کر گزرتا تھا ۔ ۳۶۵ کلو میٹر لمبا یہ صحرا .بہت ہی خطرناک ثابت ہو سکتا ہے ۔اسے پار کر کے بعد مدینہ منورہ جو یہاں سے تقریباً

ایک ہزار کلو میٹر کی دوری پر ہے جانا تھا ۔اس کے بعد وہاں سے پانچسو کلو میٹر اور آگے مکہ مکرمہ جانا تھا ۔اس لئے پوری تیاری کرنا ضروری تھا ۔

ہمارے ساتھ ہماری پوری فیملی یعنی میں اور میری اہلیہ میرا لڑکا انور اور اس کی اہلیہ خیر النساء میرا پوتا عبید اللہ انصاری جو ساتویں جماعت میں پڑھتا ہے جنید انصاری زبیر انصاری اور ہمارا ننھا پوتا حمید انصاری جو صرف آٹھ ماہ کا ہے ۔ یہ تھی ہماری فیملی جو آٹھ افراد پر مشتمل تھی ایک ٹوئیٹا گاڑی میں سوار ہوئی ۔انور انصاری نے ۷۵ لیٹر پیٹرول گاڑی میں ڈلوایا اور ساتھ ہی دو تین ڈبے پیٹرول کے اور بھی رکھ لئے تا کہ راستہ میں ضرورت کے وقت کام آسکے ۔گاڑی کو اچھی طرح سے چیک کیا کہ کہیں راستہ میں بند نہ ہو جائے پورا انتظام مکمل ہونے کے بعد ہم لوگ اللہ کا نام لے کر گھر سے روانہ ہوئے ۳۵ نمبر ہائی وے جو صحرا کا ہائی وے کہلاتا ہے ۔اس پر اپنی گاڑی دوڑائی ۔گاڑی اپنی پوری رفتار سے چلی جا رہی تھی ۔ہماری فیملی کے تمام افراد خوش اور پر جوش نظر آرہے تھے ۔

ریگستانی طوفان

ہم کافی دور نکل چکے تھے کہ ڈاکٹر ابراہیم کاشمیری جو ہمارے فرزند انور انصاری کے قریبی دوست ہیں نے فون کر کے بتایا کہ آج موسم ٹھیک نہیں ہے ریڈیو اور ٹی وی پر بار بار اعلان کیا جا رہا ہے کہ صحرا میں آندھی اور طوفان کا خطرہ ہے ۔ہم کافی دور نکل چکے تھے روڈ کے دونوں جانب دور دور تک ریگستان پھیلا ہوا تھا روڈ پہ ایک گاڑی بھی نظر نہیں آرہی تھی ۔بس اللہ کا نام لے کر ہم آگے بڑھتے رہے اور پھر وہی ہوا جس کا ڈر تھا ۔اچانک آندھی چلنا شروع ہو گئی چاروں طرف دھول اور غبار نظر آنے لگا ۔گاڑی چلانا کافی مشکل ہو رہا تھا ۔گاڑی ۱۵۰ کلو میٹر کی رفتار سے چل رہی تھی ۔لیکن آندھی مخالف سمت میں چل رہی تھی اس وجہ سے گاڑی تیزی سے

آگے نہیں بڑھ رہی تھی ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ یہ گاڑی دھیمی رفتار سے چل رہی ہے سامنے کا منظر بالکل دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ ریت کے موٹے موٹے ذرے سامنے کے شیشے سے ٹکرا رہے تھے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ یہ شیشے کو توڑ ڈالیں گے۔ گاڑی کے چاروں طرف ریت کی موٹی موٹی تہے جمع ہو رہی تھیں۔ گاڑی کو روکا نہیں جاسکتا تھا۔ کیونکہ طوفان میں گاڑی ے الٹ جانے کا خطرہ بھی تھا اس لئے ہم چلے جا رہے تھے۔ باہر ریت کی بارش ہو رہی تھی۔ میں نے کتابوں میں پڑھا تھا کہ سعودی عرب میں ایک ایسا ریگستان ہے جہاں سے انسان زندہ واپس نہیں آسکتا۔ آج یہ بھی اتفاق تھا کہ ہم اسی ریگستان سے اپنی فیملی کے ساتھ گزر رہے ہیں۔ بس سب کی زبان پر اللہ کا نام تھا۔ قرآنی آیات کا ورد کرتے ہوئے ہم گزرتے جا رہے تھے۔ بڑی جدو جہد کے بعد ہم نے ۳۶۵ کلو میٹر کا راستہ طے کیا۔ دور دھندلا سا کوئی شہر نظر آنے لگا آہستہ آہستہ شہر کی عمارتیں نظر آنے لگیں۔ پھر ہم شہر میں داخل ہوئے۔ یہ حائل نامی شہر تھا۔ حائل سعودی عرب کا بہت قدیم شہر ہے یہ کافی بڑا ہے یہاں کی آب و ہوا میں نمی تھی کچھ سرد ہوائیں چل رہی تھیں ہماری جان میں جان آئی۔ اللہ کا شکر ادا کیا۔ کہ اس نے ہمیں صحیح سلامت اس خوفناک ریگستان سے حفاظت کے ساتھ نکال دیا تھا۔ اب ہم شہر سے گزر رہے تھے تو سب کو ہوش آیا کہ کئی گھنٹوں سے ہم نے کچھ کھایا پیا ہی نہ تھا۔ وہاں نظر آئے ہوٹلوں کے سائن بورڈ کو دیکھ کر سب کی بھوک جاگ گئی بچے بھی خاموش تھے۔ اب وہ بھی چہچہانے لگے تھے ہم نے ایک گارڈن کے سامنے اپنی گاڑی روکی باہر آئے تو دیکھا کہ ریت کے طوفان کی وجہ سے ہماری گاڑی کا رنگ جگہ جگہ سے اڑ چکا تھا۔ ہم سب اس عظیم الشان گارڈن میں داخل ہوئے۔ جو تقریباً تین کلو میٹر کے مربع میں پھیلا ہوا تھا۔ ایک جگہ چادر بچھائی اور سب اس پر بیٹھ گئے ہاتھ منہ دھو کر ترو تازگی محسوس ہوئی۔ اور قریبی ہوٹل میں کھانے کا آڈر دیا گیا۔ ہمارے سامنے

یہاں کا مشہور کھانا جسے کھپسا کہا جاتا ہے اس کو تندوری بھنی ہوئی مرغ اور چاول کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے ساتھ ہی مختلف سبزیوں سے اس کو سجا کر ہمارے سامنے لایا گیا۔ سب نے بہت مزے سے اس کو کھایا ہمارے پاس وقت بہت کم تھا۔ کھانا کھانے کے بعد پھر سفر کی تیاری شروع کی گئی۔ گاڑی پھر چل پڑی ہماری منزل اب مدینہ منورہ تھی ہمیں رات ہونے سے پہلے مدینہ منورہ پہنچنا تھا۔ حائل کے بعد صحرا ختم ہو گیا تھا۔ روڈ بہت عالیشان تھا چار ٹریک والے اس روڈ پر ہم تیزی سے چلے جا رہے تھے۔ روڈ کے دونوں جانب پہاڑوں کی وادیاں سر اٹھائے کھڑی تھیں سر سبز پہاڑ اور ان کے بیچ چلنے والا راستہ عجیب منظر پیش کر رہا تھا۔ راستہ صاف شفاف تھا۔ گاڑی چلانے میں بہت مزا آرہا تھا۔ ۱۵۰ کلو میٹر کی رفتار سے چلنے والی گاڑی ایسے لگ رہی تھی گویا ہوا میں اُڑی جا رہی ہے۔ کہیں کہیں راستہ میں چھوٹی چھوٹی بستیاں آجاتی تھیں۔ چار ٹریک والے روڈ پر الگ الگ رفتار سے کار چلائی جاتی ہے۔ ہم جس ٹریک پر چل رہے تھے وہاں اسی رفتار سے گاڑی چلانا پڑتا ہے اس سے کم یا زیادہ رفتار سے گاڑی چلانا خطرناک ہو سکتا ہے۔ راستہ میں آنے والے پہاڑ جن کے دامن کو کاٹ کر روڈ نکالا گیا ہے۔ بہت ہی خوبصورت لگتا ہے۔

مغرب کا وقت آنے سے پہلے ہم مدینہ منورہ میں داخل ہو چکے تھے۔ نماز مسجد حرم میں پڑھی اور پاس ہی ایک ہوٹل میں کمرے کرایہ پر لے کر اس میں ٹھہر گئے۔ رات کو کھانا کھایا عشاء کی نماز پڑھ کر اپنے اپنے بستروں میں جا کر لیٹ گئے سب تھکے ہوئے تھے اس لئے نیند فوراً ہی آ گئی۔

صبح جب آنکھ کھلی تو فجر کا وقت ہو چکا تھا۔ سب کو اٹھایا گیا اور مسجد النبی میں سب نماز ادا کرنے کے لئے پہنچ گئے۔ رات کو آرام سے سو چکے تھے اس لئے اب تھکان کا نام و نشان نہ تھا

مسجد النبی کے اندر داخل ہوتے ہی ہمارے منہ سے خود بخود درود شریف جاری ہوگیا۔ وہی عالیشان مسجد جس کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھوں سے اس کی بنیاد رکھی تھی۔ آج اپنی شان وشوکت کے ساتھ کھڑی تھی۔ ہم نے نماز ادا کی اور واپس آ گئے ہمیں آج ہی مکہ مکرمہ کے لئے نکلنا تھا۔ وہاں پر عمرہ کر کے پھر واپس مدینہ آنا تھا۔ اس لئے جلد بازی میں زیادہ نہ گھوم سکے اور اپنے ساز وسامان کو سمیٹ کر پھر گاڑی میں آ کر بیٹھ گئے۔ گاڑی میں پھر ۷۵ لیٹر پیٹرول ڈلوایا گیا۔ عرب میں پیٹرول بہت سستا ہے۔ اس لئے محض بیس پچیس ریال کے پیٹرول میں بڑی سے بڑی گاڑی مدینہ سے مکہ جا کر واپس آجاتی ہے اس طرح پوری فیملی کے افراد معمولی سے خرچ میں حرم شریف سے ہو کر واپس آجاتے ہیں۔

احرام سے فراغت

ایک جگہ گاڑی روک کر میقات کے بارے میں دریافت کیا گیا لوگوں نے بتایا کہ آگے ایک مسجد ہے جس کا نام ذوالحلیفۃ ہے وہی مدینہ سے میقات ہے۔ ہم وہاں پر پہنچ گئے اور احرام باندھنے کی تیاری شروع کر دی۔ مسجد بہت عالیشان تھی جگہ جگہ باتھ روم تھے۔ مردوں کے لئے الگ اور عورتوں کے لئے الگ الگ بنے ہوئے تھے۔ احرام دو چادروں پر مشتمل ہوتا ہے جس میں سے ایک کو دھوتی کے طور پر باندھ لی جاتی ہے جبکہ دوسری کو سینے پر لپیٹ لی جاتی ہے۔ یہ اس بات کا اعلان ہے کہ ہم نے اپنے پروردگار کے حکم پر مخصوص لباس چھوڑ دیا اور ایک سادہ سا لباس پہن کر ہم اس کے حضور میں حاضری دینے کے لئے جا رہے ہیں۔ چونکہ حج اور عمرہ شیطان کے خلاف ایک علامتی جنگ ہے اس لئے اس کی یونیفارم احرام مقرر کیا گیا ہے۔

احرام باندھنا بھی ایک معرکہ سے کم نہیں کیونکہ جس کو دھوتی پہننے کی عادت نہ ہو اس

کو اس سے کافی الجھن پیدا ہو سکتی ہے۔ اس کے باندھنے کا بھی ایک خاص طریقہ ہے جس کی وجہ سے یہ کھل نہیں سکتا۔ اس لئے اس کو باندھنا سیکھنا ضروری ہے۔ دھوتی باندھنے کے بعد دوسری چادر کو سینے پر ڈال کر ایک ہاتھ کے نیچے سے لے جا کر دوسرے کندھے کو ڈھکنا ہوتا ہے۔

خواتین احرام میں عام طور پر سلا ہوا کپڑا استعمال کرتی ہیں چنانچہ ان کے لئے کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ ہمارا سر اور منہ کھلا رہنا چاہیے جبکہ عورتوں کے لئے سر ڈھاکنا اور چہرہ کھلا رکھنا ضروری ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ لباس بہت آرام دہ ہوتا ہے۔ اس سادے لباس کے استعمال کرنے میں غالباً یہ حکمت عملی ہے کہ انسان دنیا کی لوازمات سے منہ موڑ کر خالصتاً اپنے رب کے لئے نکل پڑتا ہے۔ حج اور عمرہ کی اصل روح اپنے رب کریم سے تعلق ہے۔ انسان دنیا چھوڑ کر مجاہدانہ لباس پہن لیتا ہے اور اپنے رب کے حکم پر شیطان کے خلاف برسر پیکار ہو جاتا ہے عملی زندگی میں انسان کو مسلسل شیطان کے خلاف جنگ درپیش ہوتی ہے۔ حج اور عمرہ انسان کو بتاتے ہیں کہ اس کا رویہ اپنی عملی زندگی میں بھی شیطان کے خلاف ایک دشمن کا ہی ہونا چاہئے کیونکہ یہ ہمیں اپنے رب سے دور کر دینے میں مسلسل مصروف ہے۔

ہم احرام سے فارغ ہو کر ایک بار پھر اپنی گاڑی میں بیٹھ گئے اور دعائیں پڑھ کر اللہ کا نام لے کر پھر سے گاڑی چلانا شروع کر دی مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ تقریباً ۵۰۰ کلو میٹر دوری پر ہے تقریباً ۱۲ گھنٹہ کا راستہ طے کرنا تھا۔ راستہ میں خوبصورت وادیاں خوشنما ماحول پیدا کر رہی تھیں۔ ہم چلے جا رہے تھے اللہ کا ذکر ہماری زبانوں پر تھا۔ بس ایک ہی لگن تھی کہ سب سے پہلے مسجد حرم جا کر خانہ کعبہ کا دیدار ہو جائے گاڑی اپنی پوری رفتار سے چلی جا رہی تھی۔ راستہ میں بہت سی گاڑیاں آگے پیچھے چل رہی تھیں۔ یہاں کے روڈ بہت ہی زبردست اور

اعلیٰ درجہ کے بنائے گئے ہیں۔سفر میں انسان اپنے رب کی طرف جارہا ہوتا ہے۔یہاں کائنات کے مالک سے ملنے کے لئے جس کی محبت ایک بندہ مومن کا کل اثاثہ ہے۔انسان محض دو چادروں میں ملبوس انتہائی سادگی سے فقیری کے عالم میں حاضری دیتا ہے۔اس کی لذت وہی جانتے ہیں جو محبت کرنا جانتے ہیں۔اب سے ساڑھے چار ہزار سال قبل حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے رب کے حکم کے آگے سر جھکاتے ہوئے ایسا ہی ایک سفر کیا تھا۔انھوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق اپنی بیوی ہاجرہ رضی اللہ عنہ اور ننھے سے اسمٰعیل علیہ السلام کو اس ویران وادی میں آباد کیا تھا۔اس سر جھکانے کی یاد کو اب دنیا بھر کے لاکھوں افراد یہاں آکر تازہ کرتے ہیں۔اور اپنے رب کی بارگاہ میں اپنے آپ کو کمترین بنا کر پیش کرتے ہیں حج یا عمرہ دراصل حاضر ہونے کا ہی نام ہے میرے مولیٰ نے مجھے بلایا اور میں سر کے بل چلا آیا۔یہی حج ہے یہی عمرہ ہے۔مجھے پہاڑی سفر ہمیشہ سے بہت پسند ہے۔لیکن اس سفر میں فطرت کے حسن کے ساتھ ساتھ عقیدت کا رنگ بھی نمایاں تھا۔باہر کے مناظر دل کو چھو لینے والے تھے ہم یہاں کے مناظر دیکھ رہے تھے اور اللہ کو یاد کر رہے تھے۔بندہ جب اپنے رب کی قدرتی کاریگری کو دیکھتا ہے تو اس کا ذہن بے اختیار اس کے بنانے والے کی طرف چلا جاتا ہے۔خدا کی یاد اور اس کی پہچان ہی مومن کے سفر کا مقصد ہے۔یہی وجہ ہے کہ سفر میں انسان خود کو فطرت کے زیادہ قریب محسوس کرتا ہے۔

مکہ پہنچنے سے پہلے

اب مکہ قریب آتا جا رہا تھا۔اس کا ڈسٹرکٹ شروع ہو چکا تھا۔جگہ جگہ ۱۲۰ کے بورڈ نظر آرہے تھے جس کا مطلب ہے کہ اس روڈ پہ رفتار ۱۲۰ کلو میٹر فی گھنٹہ ہونی چاہیے۔عرب ممالک میں ہمارے ملک کی طرح قانون شکنی کی اجازت نہیں ہے لیکن پھر بھی سبھی لوگ

۱۴۰ سے ۱۶۰ کلو میٹر کی رفتار سے گاڑی چلا رہے تھے۔

اب حدود حرم کے سائن بورڈ نظر آنے لگے تھے۔آگے ایک چیک پوسٹ بنی ہوئی تھی سعودی عرب کی پولیس اب جگہ جگہ کاغذات چیک کرتی ہوئی نظر آرہی تھی یہ لوگ عموماً فیملی کے ساتھ آنے جانے والوں کو چیک نہیں کیا کرتے۔ہم آگے بڑھتے جا رہے تھے۔

راستے میں ایک جگہ بڑا سا بورڈ لگا تھا جس پہ لکھا تھا "اسماک دانہ" یہاں کی مچھلی بہت مشہور ہے۔اپنی پسند کی مچھلی کا انتخاب کیجئے۔اس کی رقم ادا کیجئے اور اپنے اسٹائل میں ہی پکوائیے۔اور تناول فرمائیے۔اس طرز کے ریسٹورنٹ سعودی عرب میں جگہ جگہ پائے جاتے ہیں۔

ہم حرم کے قریب پہنچ رہے تھے یہاں سے روڈ کے دونوں طرف دکانوں کا ایک طویل سلسلہ شروع ہو چکا تھا۔سامنے ایک اوورہیڈ برج بنا ہوا تھا عربی میں اوورہیڈ برج کو "بری" کہتے ہیں۔حرم کے قریب جا کر ایک اور اوورہیڈ برج آتا ہے۔اس برج کے اوپر دوراہا ہے اگر آپ دائیں طرف والی روڈ اختیار کریں گے تو آپ حرم کے بالکل سامنے والے بس اسٹینڈ پر جا پہنچے گے۔اگر آپ بائیں والا روڈ اختیار کریں گے تو حرم کے نیچے ایک سرنگ میں لے جائے گا جہاں سے الیکٹرانک سیڑھیاں چڑھ کر آپ حرم کے ملک فہد گیٹ یا عبدالعزیز گیٹ کے سامنے آنکلتے ہیں۔

سب سے پہلے پارکنگ کے لئے جگہ تلاش کرنا تھی۔حرم کے قریب پارکنگ تلاش کرنا جوئے شیر لانے کے برابر ہے۔سرنگ سے نکلتے ہی دائیں ہاتھ کو ایک پارکنگ پلازہ ہے۔لیکن یہاں پارکنگ دستیاب نہ تھی۔یہاں پارکنگ کے لئے تقریباً تیس ریال فی گھنٹہ کے حساب سے ادا کرنا پڑتا ہے۔

یہاں کی پولیس روڈ پر پارک کی جانے والی گاڑیوں کو اٹھا لے جاتی ہے۔ مکہ کے برعکس مدینہ میں پارکنگ کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ یہاں پر اس وقت کا حج کا مہینہ نہ ہونے کی وجہ سے زیادہ مسئلہ نہیں پیدا ہوا۔ ایک جگہ ہمیں پارکنگ مل گئی ہم سب گاڑی سے اترے اور حرم شریف کے بالکل قریب ہی ایک ہوٹل مل گیا۔ جمعرات کا دن تھا لوگ دوسرے علاقوں سے جمعرات کو یہاں آجاتے ہیں عمرہ کر کے سنیچر کو اپنے اپنے علاقوں میں واپس چلے جاتے ہیں۔

ہم ہوٹل پہنچے اپنا سامان رکھنے کے بعد سب کو ایک ساتھ عمرہ کرنے کے لئے خانہ کعبہ میں جانا تھا۔ اس لئے جلد سے جلد ہم عمرہ کرنا چاہتے تھے احرام ہم سب کے بدن پر تھے عمرہ کے ارکان ادا کرنے کے بعد ہی احرام کو کھولنا تھا۔ لہٰذا ہم سب مسجد الحرام جانے کے لئے نکل پڑے۔

پانچ سال قبل جب میں یہاں حج کرنے کے لئے آیا تھا۔ اس وقت کے منظر اور آج کے منظر میں کافی تبدیلی آچکی تھی۔ اطراف کے تمام محل توڑ کر ان کی جگہ کو حرم شریف کی توسیع کے لئے استعمال کر لیا گیا تھا۔ پہلے کے مقابلہ میں حرم شریف اور زیادہ کشادہ ہو چکا تھا۔

حرم شریف کے قریب ایک بہت ہی بڑا ٹاور بنایا جا چکا ہے جو تقریباً تیس کلو میٹر کے فاصلہ سے صاف نظر آتا ہے اس میں ایک گھڑی لگی ہے اس کی سوئی کی لمبائی تین میٹر لمبی ہے اس بات سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ یہ ٹاور کس قدر بلند ہے۔ رات کو بہت ہی خوبصورت نظر آنے والا یہ ٹاور دراصل ایک ہوٹل ہے جو یہاں کی بلند ترین عمارت میں شمار ہوتا ہے۔ یہ ابھی حال ہی میں بن کر تیار ہوا ہے پورا مکہ اس ٹاور سے صاف نظر آتا ہے۔

دیارِ حرم کی زیارت

میں نے جب حرم شریف کے دروازے پر نظر ڈالی تو پرانا منظر میری آنکھوں کے سامنے پھر سے ابھر آیا جب ہم پہلی مرتبہ پانچ سال پہلے یہاں حج کرنے آئے تھے۔

مسجد کا وسیع صحن جو مسجد کے باہر چاروں طرف پھیلا ہوا ہے۔ یہ سفید ماربل کا بنا ہوا ہے۔ اور رات میں بہت ہی خوبصورت منظر پیش کرتا ہے۔ البتہ دن میں اس کی چمک آنکھوں کو خیرہ کر دیتی ہے۔

صحن میں زیر زمین مردوں اور خواتین کے لئے الگ الگ طہارت خانے تھے ہر طہارت خانہ میں فلیش کے ساتھ ساتھ ایک چادر بھی لگا ہوا ہوتا ہے تا کہ ضرورت ہونے پر آپ اس میں غسل وغیرہ بھی کر سکیں۔ حرم کے چاروں طرف بڑی بڑی عالیشان عمارتیں ہیں دراصل یہ فائیو اسٹار ہوٹلیں ہیں جن میں بڑی بڑی سوپر مارکیٹ اور مال موجود ہیں۔

میرے سامنے حرم شریف کا ملک فہد گیٹ تھا جسے عربی میں باب الملک فہد کہتے ہیں۔ یہ دروازہ حرم شریف کی جدید ترین توسیع میں بنایا گیا تھا۔ جو ۱۹۸۸ء میں کی گئی تھی۔ مسجد الحرام کے پانچ بڑے دروازے ہیں جن کے نام باب فہد، باب عبدالعزیز، باب صفا، باب فتح اور باب عمرہ ہیں ہر دروازے کے ساتھ دو مینار ہیں جبکہ باب صفا کے ساتھ ایک مینار ہے اس طرح مسجد الحرام کے کل میناروں کی تعداد ۹ ہے۔

باب صفا اور باب عبدالعزیز سے قریب ہی وہیل چیئر کاؤنٹر ہے جہاں آپ اپنا پاسپورٹ یا اقامہ دکھا کر بلا معاوضہ وہیل چیئر لے سکتے ہیں۔ اگر آپ کے ساتھ کوئی بزرگ یا معذور شخص ہے تو اس سہولت کا فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔

مسجد الحرام میں جگہ جگہ آب زم زم کے کولر رکھے ہوئے ہیں۔ ان کولرز کے ساتھ ہی

ڈسپوزیبل گلاس بھی موجود ہوتے ہیں۔ یہ مسجد کا حسن انتظام ہی ہے کہ ان کولروں میں کبھی پانی اور گلاس ختم ہی نہیں ہوتے۔

طواف کعبہ

مسجد الحرام میں جوتوں کا سنبھالنا بھی ایک مسئلہ ہے۔ مسجد میں جگہ جگہ جوتوں کے ڈبے رکھے ہیں۔ جن پر نمبر لکھے ہوتے ہیں۔ اس ضمن میں یہ بھی ضروری ہے کہ آپ ڈبے کے نمبر کے ساتھ ساتھ اس دروازے کا نمبر یا نام بھی نوٹ کرلیں جس کے راستے پر وہ ڈبہ رکھا ہوا ہے۔ سب سے آسان حل یہ ہے کہ اپنے جوتے چپل ایک تھیلی میں ڈال کر اپنے ساتھ ہی رکھیں تاکہ واپسی میں آپ کو جوتے ڈھونڈنے میں پریشانی نہ ہو۔

حج کے دنوں میں لوگ اپنے جوتے چپل بھول جاتے ہیں جنہیں ٹھکانے لگانے کے لئے تقریباً ۵ سے سات ٹرک روزانہ یہاں سے جوتے چپل اٹھاتے ہیں اور ان کو ٹھکانے لگاتے ہیں۔

مسجد الحرام کا مرکز کعبہ ہے۔ اس مسجد کا لے آؤٹ دنیا کی تمام مساجد سے مختلف ہے تمام مساجد عموماً مربع یا مستطیل شکل کی بنائی جاتی ہیں اور ان کا رخ خانہ کعبہ کی طرف ہوتا ہے۔ اس کے برعکس مسجد الحرام چونکہ کعبہ کے گرد تعمیر کی گئی ہے اس لئے اس کی شکل بیضوی ہے۔ اس مسجد میں صفیں بھی دائرے کی شکل میں بنتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان کا رخ کعبہ کی طرف ہوتا ہے۔ کعبہ اور مسجد کی عمارت کے درمیان کھلا میدان ہے جسے مطاف کہتے ہیں یہاں حجاج اور دیگر زائرین کعبہ کی سعادت سے بہرہ مند ہوتے ہیں۔ مطاف بلکل گول شکل کا نہیں ہے۔ بلکہ تقریباً بیضوی شکل کا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مسجد الحرام کی توسیع شمال وجنوب کی طرف زیادہ کی گئی ہے جب کہ مشرق اور مغرب کی طرف اس کی زیادہ توسیع نہیں کی گئی ہے۔ جس کی

وجہ سے مسجد بیضوی شکل اختیار کرگئی ہے۔

اگر مطاف میں جگہ نہ ہو تو پہلے اور دوسرے منزلے پر بھی طواف کیا جاسکتا ہے۔ لیکن یہاں پر پھیرا کافی طویل ہوجاتا ہے۔ نیچے مطاف میں طواف کرتے ہوئے سات پھیرے لینے کے لئے تقریباً ایک سے دو کلو میٹر کا فاصلہ طے کرنا ہوتا ہے لیکن یہی فاصلہ مسجد کے اوپر والے فلور پر اندازاً سات کلو میٹر تک پہنچ جاتا ہے۔

تاریخی روایت کے مطابق کعبہ کی تعمیر متعدد مرتبہ کی گئی۔ اس کی پہلی تعمیر فرشتوں نے کی۔ پھر اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اسی جگہ پر اس کی دوبارہ تعمیر حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی مدد سے کی۔ اس وقت کعبہ سادہ پتھروں کی عمارت تھی جو بغیر سیمنٹ وغیرہ کے ایک دوسرے کے اوپر رکھے ہوئے تھے اس کی تیسری تعمیر قریش نے کی جو سیدنا اسمعیل علیہ السلام کی اولاد ہونے کے ناطے اس کے متولی تھے۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلانِ نبوت سے تقریباً پانچ سال قبل بھی کعبہ کی تعمیر کی گئی تھی۔ اس موقع پر مختلف عرب قبائل نے اس میں حصہ لیا تھا۔ ہر قبیلے کی یہی خواہش تھی کہ حجر اسود نصب کرنے کی سعادت اسے حاصل ہو۔ نوبت کشت وخون تک جا پہنچی۔ بالآخر یہ فیصلہ ہوا کہ اگلی صبح جو شخص کعبہ میں داخل ہوگا۔ اس کا فیصلہ سبھی کو قبول ہوگا۔ اگلے دن قبائل کی خوشی کی انتہا نہ رہی جب انھوں نے دیکھا کہ کعبہ میں سب سے پہلے داخل والے شخص حضرت محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں سبھی لوگ آپ کی صداقت، امانت اور دیانت دارانہ فیصلوں کے قائل تھے۔ آپ نے اس قضیئے کا فیصلہ یہ فرمایا کہ اپنی چادر مبارک کو بچھا دیا اس پر حجر اسود کو رکھا اور تمام قبائل نمائندوں سے اس کے کناروں کو پکڑوا دیا انھوں نے چادر اٹھائی آپؐ نے اپنے دستِ مبارک سے حجر اسود نصب فرما دیا۔ اس طرح آپ ﷺ نے سب لوگوں کو مطمئن کر دیا۔

قریش کے دور میں کعبہ کی تعمیر میں کچھ رقم کم پڑ رہی تھی کیونکہ انھوں نے اس کا اہتمام کیا تھا کہ صرف حلال کی کمائی ہی کعبہ میں استعمال ہوگی۔ اس وجہ سے کعبہ کی تعمیر مکمل ابراہیمی بنیادوں پر تعمیر نہ ہوسکی۔ اس کا کچھ حصہ باہر رہ گیا۔ جس کے گرد دیوار بنادی گئی۔ یہ دیوار حطیم کہلاتی ہے۔

کعبہ کی عمارت چونکہ مکعب نما ہے اس لئے اسے کعبہ کہا جاتا ہے۔ اس کے چار کونوں میں ایک تو حجرِ اسود والا کونہ ہے باقی کونوں کو رکن یمانی، رکن شامی، رکن عراقی کہتے ہیں۔ کیونکہ ان کا رخ بالترتیب یمن، شام، عراق کی طرف ہے۔ کعبہ کا طواف اس کی عمارت کو بائیں ہاتھ کی طرف رکھ کر کرتے ہیں۔ اس کے ہر پھیرے کا آغاز اور اختتام حجرِ اسود والے کونے سے ہوتا ہے۔ طواف کرنے والے کے لئے سنت ہے کہ وہ ہر پھیرے میں حجرِ اسود کا بوسہ لے۔ اگر ممکن نہ ہو تو دور سے اس کی طرف اشارہ کرلے۔ یہ اشارہ بوسہ کا قائم مقام ہوتا ہے۔

جب ہم حرم میں داخل ہوئے تو پہلی نظر کعبہ پر پڑتے ہی بے ساختہ آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے کعبہ کی زیارت کا جو لطف ہوتا ہے اس کی کیفیت بیان کرنے کی نہیں ہے اس کیفیت کا عالم وہی لوگ جان سکتے ہیں جنہیں حقیقتاً اس کی زیارت نصیب ہوئی ہو۔ کعبہ کی حاضری اصل میں اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاضری ہے۔ اس پوری حاضری میں جب بھی جہاں بھی کوئی دعا مانگی جائے گی اللہ تعالیٰ اسے اپنی معیشت اور اپنے قانون کے مطابق قبول فرمائے گا۔

طواف کرتے ہوئے اگر کعبہ کے قریب رہا جائے تو کم چلنا پڑتا ہے۔ لیکن یہاں رش زیادہ ہوتا ہے۔ اس وجہ سے رک رک کر چلنے کی صورت میں وقت اتنا ہی لگتا ہے جتنا دور سے لمبا طواف کرنے میں لگتا ہے۔ ہم نے حجرِ اسود سے طواف کا آغاز کیا۔ حجرِ اسود والے کونے کے

ساتھ ہی کعبہ کا دروازہ ہے۔ کونے اور دروازے کی درمیانی جگہ کو ملتزم کہتے ہیں۔ یہاں لوگ لپٹ کر کھڑے تھے اور اپنے پروردگار کے سامنے زار و قطار رو رہے تھے۔ کعبہ کا دروازہ زمین سے چھ فٹ سے زائد بلند ہے۔ سیاہ غلاف میں سنہرے رنگ کا دروازہ انتہائی دلکش منظر پیش کر رہا تھا۔

کعبہ کے اسی طرف سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے منسوب پتھر ہے جسے شیشے کے ایک کیس میں رکھا گیا ہے۔ جسے مقام ابراہیم کے نام سے جانا جاتا ہے۔ میں نے قریب سے اس پتھر کو دیکھا اس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدموں کے نشانات بنے ہوئے تھے۔ اب ہم گھوم کر حطیم کی طرف آ گئے۔ یہ ایک بریکٹ کی شکل کی دیوار ہے جو کعبہ کی شمال مغرب سمت میں بنائی گئی ہے۔ اس کے اندر کا حصہ کعبہ میں داخل ہے۔ یہاں لوگ نوافل پڑھ رہے تھے۔ میری زبان پر لبیک کا ترانہ جاری تھا اور دل میں اپنے رب کے حضور حاضری کی سمت کیفیت تھی۔ یہی کیفیت قائم رکھنا حج اور عمرہ کی اصل ہے۔ ہم آہستہ آہستہ طواف کرتے رہے اور اللہ کی بارگاہ میں اپنے لئے دعا کرتے رہے۔ سات پھیرے کب مکمل ہوئے اس کا پتہ ہی نہ چلا۔ ساتواں پھیرا مکمل کرنے کے بعد میں دو رکعت نفل ادا کی۔ اب ہم صفا کی جانب چل پڑے حجرہ اسود کی بالکل لائن میں آپ اگر چلتے چلے جائیں تو صفا تک پہنچ جائیں گے۔

صفا ایک پہاڑی ہے جس کی عظیم تاریخی و شرعی اہمیت ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنی پہلی عام دعوت یہیں سے دی تھی آپ نے لوگوں کو یہاں اکٹھا کر کے ان سے پوچھا تھا "اگر میں تم سے کہوں کہ دوسری طرف سے ایک فوج آ رہی ہے تو کیا تم اس بات پر یقین کرو گے۔ سب لوگوں نے کہا بالکل کیونکہ آپؐ ایک سچے اور نیک انسان ہیں کبھی جھوٹ نہیں بولتے۔ اس اعتماد کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنی رسالت کی طرف دعوت دی۔ اور

سب کو لاالہ الااللہ کی طرف بلایا۔

اب صفا کے چند پتھر ہی باقی رہ گئے ہیں جنہیں کسی کیمیکل کے ذریعہ محفوظ کر دیا گیا ہے۔ بہت سے لوگ صفا کے پتھروں پر بیٹھے تھے۔ صفا کے پہلے فلور کی چھت پر بڑا سا ایک گول سوراخ ہے اس کے اوپر دوسرے فلور پر ایک گنبد ہے جہاں قرآن کی یہ آیت تحریر ہے

إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِن شَعَائِرِ اللَّهِ ۖ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَن يَطَّوَّفَ بِهِمَا ۚ وَمَن تَطَوَّعَ خَيْرًا فَإِنَّ اللَّهَ شَاكِرٌ عَلِيمٌ (البقرہ ۲:۱۵۸) ترجمہ: ”بے شک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہے تو جو کوئی حج یا عمرہ کرے اس کے لئے کوئی حرج نہیں ہے کہ وہ ان دونوں کے درمیان سعی کرے جو اپنی طرف سے نیکی میں زیادتی کرے تو اللہ شا کر و علیم ہے۔“

میں نے جائزہ لیا کہ بہت سے لوگ ابھی تک طواف میں مصروف ہیں اور ساتھ ہی یہ بھی دیکھا کہ خود میری اہلیہ اپنی بہو کے ساتھ خانہ کعبہ کے سامنے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے کھڑی ہے۔ میرے فرزند اور دیگر بچے بھی یہاں آ کر اللہ کے جل و جلال سے کچھ سہمے ہوئے لگ رہے تھے۔ میری اہلیہ دعائیں مانگ رہی تھی۔ زار و قطار رو رہی تھی۔ مجھے معلوم ہے کہ وہ اس وقت اپنے بچوں اور ان کے بچوں کی صحت اور میرے لئے دعا کر رہی ہوگی۔ اسے سب سے زیادہ میری صحت کی فکر ہے۔ وہ بے شک ایک نیک اور وفا شعار بیوی اور ایک مشفق ماں ہے۔ اس کے چہرے کی معصومیت اس وقت کھل کر کہہ رہی ہے کہ وہ اپنے رب سے اپنی تمام زندگی کی عبادتوں اور نیک کرداری کے بدلے میری صحت کے لئے دعا مانگ رہی ہے۔

نیک عورت کا کردار دین و دنیا میں اس کو اچھے اوصاف عطا کر دیتا ہے۔ اور اس کی

اولادیں دنیا میں اللہ کی مخلوق کے کام آنے کا وصیلہ بن جاتی ہیں کیونکہ وہ اپنے حسن سلوک سے اپنے پرائے کا دل جیت لیتی ہیں۔ مرد غازی اور نمازی ہو تو یقیناً دنیا میں توازن برقرار رکھ سکتا ہے۔ اور نسل در نسل اللہ تعالیٰ ان میں ایسے ہی باعمل افراد کو جنم دیتا ہے۔ یہی دنیا کا دستور ہے اللہ ہمیں سب کو ایسی ہی نیک بیویاں اور صالح اولاد عطا فرمائے۔

صفا مروا کی سعی

سعی کی حقیقت بھی طواف ہی کی طرح ہے۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربان ہونے کے لئے قربانی کے چکر ہیں۔ صفا مروا کے درمیان ایک ایئر کنڈیشن گیلری بنادی گئی ہے جو تقریباً پون کلو میٹر طویل ہے۔ اس کے بہت سے دروازے ہیں جو باہر مسجد الحرام کی طرف کھلتے ہیں۔ فرش اور دیواروں پہ اعلیٰ درجہ کے سبز و سفید ماربل کا استعمال کیا گیا ہے۔ بہت خوبصورت قانوس چھت سے لٹک رہے ہیں۔ میں سوچنے لگا کہ اب تو یہ حالت ہے۔ اسوقت کا کیا عالم ہوتا ہوگا جب میں سیدہ ہاجرہ رضی اللہ عنہا نے یہاں پھیرے لئے ہوں گے۔ اور وہ بھی ایسے وقت کہ جب ان کا معصوم بچہ پیاس سے تڑپ رہا ہوگا اور وہ ایک پہاڑی سے دوسری پہاڑی تک بھاگ بھاگ کر جلتی دھوپ میں جا رہی ہوں گی۔

ہم نے صفا سے شروع کیا چوتھا کلمہ زبان پر تھا ہم مروا کی طرف چل پڑے راستے میں ہرے رنگ کی روشنی آنے کے بعد تقریباً لمبے لمبے قدموں سے تھوڑا تیزی کے ساتھ دوسری روشنی آنے تک بھاگ کر آگے بڑھنا ہوتا تھا۔ حضورؐ نے اس مقام پر اپنی رفتار تیز کی تھی تقریباً پانچ منٹ کے وقفہ کے بعد ہم مروہ تک پہنچ گئے۔ صفا کے برعکس یہاں پر اب پہاڑی کی کوئی نشانی موجود نہیں ہے صرف فرش تھوڑا سا اوپر کی جانب اٹھا ہوا ہے۔ مروہ پہنچ کر ایک پھیرا مکمل ہو جاتا ہے۔ اس طرح سات بار یہ سعی کے پھیرے مکمل کرنا پڑتے ہیں۔

سعی کے لئے دوسرے اور تیسرے منزلے پر بھی انتظام ہے جہاں نیچے کے نسبت کم رش ہوتا ہے۔صفا سے شروع ہونے والی سعی کے ساتویں پھیرے کا اختتام مروہ پر ہوتا ہے۔ اس پر عمرہ ختم ہوجاتا ہے۔پھر سر منڈوانے کے بعد احرام کھول دیا جاتا ہے۔

مروہ کے باہر ایک بڑا دروازہ ہے پہلے وہاں پر بہت سے ہیئر کٹنگ سیلون ہوا کرتے تھے جہاں آ کر مرد اپنا سر منڈوالیا کرتے تھے۔لیکن آج وہاں ایسا کچھ نظر نہیں آیا توسیع حرم کی وجہ سے یہ سیلون حرم شریف کے باہر کر دیئے گئے۔عورتوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ چار پوروں کے برابر اپنے بال کسی قینچی سے کاٹ کر پھینک دیں۔

یہاں پر ہمارا عمرہ مکمل ہوا۔ان تمام لوازمات سے فارغ ہو کر ہم نے کولر سے زم زم خوب سیر ہو کر پیا۔اور پھر اپنے ہوٹل کی طرف چل دیئے تا کہ احرام اتار کر کچھ کھایا پیا جا سکے۔

ہوٹل پہنچ کر سب نے احرام اتار دیا غسل وغیرہ سے فارغ ہو کر کھانے کے لئے ہوٹل کے نیچے لان میں آ گئے۔اس ہوٹل کا لان بہت ہی خوبصورت تھا۔کھانے میں بھنا ہوا مرغ۔ چاول۔پیش کئے گئے ہم تھکے ہوئے تھے۔کھانا کھانے کے بعد ہم نے آرام کرنے کو ترجیح دی۔ صبح تہجد کی اذان نے ہمیں خود بخود جگا دیا۔مکہ میں تہجد کی اذان ہوتی ہے لوگ جوق در جوق اپنے اپنے گھروں سے ہوٹلوں سے گلیوں سے نکل کر مسجد الحرام کے دروازوں کی طرف بڑھ رہے تھے اور اپنے رب کی بارگاہ میں سجدہ کرنے کے لئے بے تاب تھے۔ہم جب مسجد الحرام میں داخل ہوئے تو ہزاروں لوگ پہلے سے ہی وہاں موجود تھے۔طواف جاری تھا جن کو تہجد پڑھنا تھا وہ تہجد کی نماز ادا کر رہے تھے جو تہجد کی نماز پڑھ چکے تھے وہ طواف کر رہے تھے کچھ لوگ قرآن شریف کی تلاوت کر رہے تھے۔اسی میں صبح کی اذان کا وقت ہو گیا۔ہم نے بھی جلدی جلدی ایک بار نماز سے پہلے طواف کر ہی لیا۔نماز شروع ہوئی۔طواف رک گیا اور لوگ

اپنا طواف ادھورا چھوڑ کر نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہو گئے۔ہر نماز کے شروع ہوتے ہی طواف رک جاتا ہے اور سلام پھیرتے ہی شروع ہو جاتا ہے یہ سلسلہ چودہ سو سالوں سے برابر جاری ہے۔کہا جاتا ہے کہ جب لوگ اپنے گھروں میں رات کے سناٹے میں گہری نیند سو رہے ہوتے ہیں تو اس دوران فرشتے طواف کرتے ہیں۔

خانہ کعبہ کے چاروں طرف ابابیل چکر لگاتی رہتی ہیں۔لیکن کیا مجال کہ کوئی ابابیل یا کوئی پرندہ وہاں گندگی کر دے۔ہزاروں کی تعداد میں وہاں ابابیل کا بسیرہ ہے لیکن خانہ کعبہ کے اطراف ذرا سی بھی گندگی نہیں ہوتی۔

سعودی عرب کی حکومت خانہ کعبہ کی صفائی کا خاص خیال رکھتی ہے۔ہر ایک گھنٹہ کے بعد خانہ کعبہ کا فرش صاف کیا جاتا ہے۔بڑی چھوٹی مشینوں کے ذریعہ صفائی کی جاتی ہے لیکن یہ بھی اک کمال ہے کہ طواف اس وقت بھی جاری رہتا ہے۔صفائی کرنے والے بھیڑ میں بھی اپنا کمال دکھا کر صفائی کر کے نکل جاتے ہیں کسی کو احساس بھی نہیں ہوتا اور نہ ہی طواف رکتا ہے۔

نماز کے بعد ہم لوگ باہر نکل پڑے صبح ہو چکی تھی۔دن کا اجالا آہستہ آہستہ پھیل رہا تھا ہم نے باہر نکل کر دیکھا تو یاد آیا کہ یہ علاقہ تو پانچ سال میں اس قدر بدل چکا ہے کہ پہچاننا مشکل ہو رہا ہے۔گیٹ کے سامنے۔بہت سی عمارتیں ختم ہو چکی ہیں ان کی جگہ حرم شریف میں شامل کر لیا گیا ہے۔جس کی وجہ سے مسجد حرم کے باہر کا صحن بھی کافی وسیع ہو گیا ہے اب باہر سے اندر جانے کے لئے کافی چلنا پڑتا ہے کیونکہ برامدہ کافی کشادہ اور کافی بڑا بنا دیا گیا ہے۔

گاڑیوں کے لئے زمین دوز راستے بنا دیئے گئے ہیں۔اب حرم شریف کے نزدیک کوئی بھی گاڑی نہیں آتی ہے۔اطراف میں بڑی بڑی عمارتوں میں اندر مال بنا دیئے گئے

ہیں جہاں مارکیٹ کی تمام دکانوں کو منتقل کر دیا گیا ہے۔ ہم آہستہ آہستہ چلتے ہوئے اپنے ہوٹل تک پہنچ گئے۔ آج جمعہ کا دن تھا اس لئے مکہ میں بھیڑ بھاڑ نظر آ رہی تھی۔ ہمیں ناشتہ سے فارغ ہو کر واپس مسجد حرم آنا تھا کیونکہ آج جمعہ کی وجہ سے کافی رش ہوگا۔

جمعہ کی نماز کے لئے ہوٹل سے نکل پڑے۔ اللہ کے فضل و کرم سے خانہ کعبہ کے قریب ہی جگہ مل گئی۔ ہم نے جمعہ کی نماز ادا کی اور پھر سب نے ارادہ کیا کہ مکہ میں کچھ شاپنگ کی جائے۔ لہٰذا ہم ایک مال میں جا پہنچے۔ جہاں دوسرے علاقوں کی بنسبت چیزیں کچھ مہنگی تھیں۔ عرب عورتیں شاپنگ مال میں بھری پڑی تھیں۔ یہاں عورتیں صرف شاپنگ مال میں یا خانہ کعبہ میں ہی نظر آتی ہیں۔ باقی یہاں کی عورتیں ہمارے ہندوستان کی طرح گلیوں میں پھرتی ہوئی نظر نہیں آتی۔

زیارت مقام مقدسہ

دوسرے دن صبح اٹھ کر ہم دیگر مقدس مقامات کی سیر کرنے کے لئے نکل پڑے۔ سب سے پہلے ہم منا گئے جہاں دور دور تک میدان تھا۔ یہی وہ جگہ ہے جہاں پر تین دنوں میں لاکھوں حجاج آ کر ڈیرہ ڈال دیتے ہیں۔ اور یہاں تل دھرنے تک کی جگہ نہیں مل پاتی۔ لیکن آج پوری طرح خالی ہے۔

جمرات کو بہت ہی نئے ڈھنگ سے تین منزلہ بنا دیا گیا ہے۔ یہ تین جمرات ہیں نیچے کی طرف کا حصہ ائیر کنڈیشن بنا دیا گیا ہے۔ اب ایسا سنا گیا ہے کہ حج کے دوران بھگدڑ یا ایک دوسرے سے ٹکرا کر گرنے کی وارداتیں نہیں ہوتیں ورنہ پہلے تو ہزاروں لوگ بھیڑ میں کچل کر مر جایا کرتے تھے۔

عرفات کا میدان بھی میلوں دور تک پھیلا ہوا تھا۔ ایک چھوٹی سی پہاڑی پہ حضرت

آدم علیہ السلام اور حوا کے ملنے کی جگہ پر ایک کھمبا بنا دیا گیا تھا جہاں زائرین کا ہجوم لگا رہتا ہے۔ آج وہاں بہت کم لوگ نظر آ رہے تھے۔ غار حرا اور غار ثور کو ہم نے دور سے ہی دیکھا کیونکہ یہ دونوں غار کافی اونچائی پہ تھے ہماری ہمت جواب دے گئی تھی اس لئے ہم نے دور سے ہی ان کو دیکھنے میں اکتفا کیا۔ ہم نے ان خاص مقامات کا بھی مشاہدہ کیا جن میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا گھر جس کو لائبریری میں تبدیل کر دیا گیا ہے۔ اس کے آگے ایک مشہور مسجد کو جس کو جنوں والی مسجد کہا جاتا ہے۔ اس کے لئے مشہور ہے کہ یہ مسجد راتوں رات بنائی گئی تھی یعنی جنوں نے اس کی تعمیر کی تھی۔ لیکن یہ بات کہیں سے ثابت نہیں ہوسکی البتہ اتنا ضرور ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس مسجد میں درس دیا کرتے تھے۔ اس درس میں جن بھی شامل ہوا کرتے تھے۔ یہ مسجد کافی بڑی اور خوبصورت بنی ہوئی۔ پوری مسجد ائرکنڈیشن ہے۔ جنوں والی مسجد اندر سے پوری طرح سفید ہے باہر سے ہری اور سفید رنگ کے پتھروں سے بنی ہے۔ اس کی سفیدی اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ یہاں پر اللہ تعالیٰ نے جنوں کو ضرور بھیجا ہوگا اللہ کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآنی تعلیم حاصل کرنے کے لئے۔ مسجد بہت شاندار تھی۔ ہم نے یہاں پر بھی دو رکعت نماز تہیت المسجد ادا کی۔ اس کے بعد ہی ظہر کا وقت قریب ہو چکا تھا۔ موذن نے اذان دی۔ آواز کی مٹھاس اور لفظوں کی ادائیگی کانوں میں رس گھول رہی تھی۔ ہمارا دل چاہتا تھا کہ بس اس اذان کو سنتے ہی رہیں۔ جماعت کا وقت ہوا امام صاحب جو ایک پستہ قد عربی نسل کے تھے۔ حاضر ہوئے انھوں نے نماز پڑھانا شروع کی۔

نماز ختم ہوتے ہی سب لوگ اٹھ کھڑے ہوئے جن کو سنتیں پڑھنا تھا ی وہ الگ ہٹ کر سنتیں پڑھنے لگے۔ باقی لوگ مسجد سے آہستہ آہستہ باہر نکل رہے تھے۔ یہاں پر ایک دستور چلا آ رہا ہے کہ لوگ مسجد میں صرف فرض نمازیں ہی ادا کرتے ہیں۔ باقی سنتیں وغیرہ

اپنے گھر جا کر پڑھا کرتے ہیں۔ جن لوگوں کے کاروبار مسجد کے قریب ہیں اور گھر دور ہیں وہ باقی نمازیں مسجد میں ہی ادا کر لیتے ہیں۔ یا پھر ہندوستانی پاکستانی لوگ اپنی عادت کے مطابق مسجد میں ہی تمام نمازیں ادا کرتے ہیں۔

ہم کافی تھک چکے تھے لہذا ہوٹل لوٹنے کا ارادہ کیا کیوں کہ دوسرے دن صبح ہم کو مدینہ کے لئے روانہ ہونا تھا۔ ہم چاہتے تھے کہ مکہ سے مدینہ کا سفر دن میں طے کریں تاکہ راستے میں آنے والے مناظر کی قلمبندی کی جا سکے۔

مدینہ کا سفر

ہم نے مدینہ منورہ جانے کی تیاری شروع کر دی ضروری سامان گاڑی میں رکھا اور صبح فجر کی نماز کے بعد ہم نے مدینہ کی طرف سفر شروع کیا مکہ سے ہم نے رِنگ روڈ سے بائیں جانب کا رخ کیا۔ یہ رِنگ روڈ سیدھی جبل ثور سے آ کر مدینہ کی طرف روانہ ہوتی ہے۔ مدینہ مکہ کے شمال میں واقع ہے اور جبل ثور جنوب میں۔ مدینہ کا پرانا نام یثرب ہے جب کثیر تعداد میں یثرب کے لوگوں نے اسلام قبول کر لیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بحیثیت حکمران یثرب آنے کی دعوت دی تو کفارِ مکہ نے اس بات کو اپنے لئے آنے والے خطرہ کا سگنل سمجھا۔ اور سب لوگ اس آنے والے خطرہ کا مقابلہ کرنے کے لئے سر جوڑ کر بیٹھے۔ چونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا خاندان بنی ہاشم مکہ میں بہت اثر و رسوخ والا خاندان تھا اس لئے یہ لوگ آپ ﷺ کے خلاف کوئی بڑی کاروائی کرنے سے پہلے اچھی طرح سوچنا چاہتے تھے۔ فیصلہ یہ ہوا کہ ایک ٹیم جا کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کر دے اور اس ٹیم میں ہر قبیلے کے افراد ہوں تاکہ بنی ہاشم سب سے قصاص کا مطالبہ نہ کر سکیں۔

اللہ نے ایک خاص اہتمام کے ذریعہ اپنے رسول کو یثرب کی جانب ہجرت کرنے کا

حکم دیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس سفر کا علم بہت ہی کم لوگوں کو تھا۔ جن میں سیدنا ابو بکرؓ اور سیدنا علیؓ شامل ہیں۔ کفار نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کا محاصرہ کر لیا تاکہ آپ کو شہید کر دیا جائے۔ ایسی نازک حالت میں بھی آپ نے اخلاقیات کا اعلیٰ ترین معیار قائم کرتے ہوئے حضرت علیؓ کو اہل مکہ کی امانتیں واپس کرنے پر معمور فرمایا۔ یہ امانتیں ان لوگوں کی بھی تھیں جو آپؐ کی رسالت کا انکار کرتے ہوئے آپؐ سے دشمنی پر اترے ہوئے تھے۔ اس انتظام سے فارغ ہونے کے بعد آپ نے ان لوگوں کی طرف مٹی پھینکی جو آپ کو قتل کرنے کے لئے آئے ہوئے تھے تاکہ یہ لوگ آپ کو گھر سے نکلتے ہوئے نہ دیکھ سکے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سفر کی تیاری پہلے ہی سے کر رکھی تھی دو سواریاں تیار تھیں ان پر سوار ہو کر آپ نے ہجرت کرنے کے لئے گھر سے پہلا قدم باہر رکھا۔

ہم مکہ سے نکل چکے تھے کہ کچھ دوری کے بعد ایک شہر آیا اس کا نام جموم تھا۔ یہ ایک چھوٹا سا قصبہ تھا لیکن اس کی وادی کافی وسیع ہے۔ مٹی سرخ ہے دور نظر آنے والے پہاڑ سیاہ و سرخ رنگ کا ایک خوبصورت منظر پیش کر رہے تھے۔ ایک بورڈ پہ مدینہ ۴۰۵ کلو میٹر لکھا تھا۔ دل پر ایک اضطراب کی سی کیفیت طاری ہو گئی۔ شام اردن اور سعودی عرب کے شمال علاقہ جات سے سڑک کے راستے آنے والے حجاج کرام اسی راستہ سے فریضہ حج کی ادائیگی کے لئے آتے ہیں۔ بائیں جانب دو اونچے پہاڑ نظر آ رہے تھے۔ جن کی بلندی عام پہاڑوں کی بنسبت خاص تھی۔ راستہ کے دونوں جانب کھجور کے درخت بڑی دور تک قطار کی صورت میں لگے ہوئے تھے۔ صبح کا وقت تھا باہر ہلکی ٹھنڈی ہوائیں چل رہی تھیں۔ منظر کافی دلکش تھا۔ اچانک دائیں جانب اونٹوں کا ایک ریوڑ نظر آیا۔ جو براؤن رنگ کی پہاڑیوں کے نیچے پھیلے سبزہ کو اپنے ہونٹوں سے توڑ کر کھا رہا تھا۔ ان صحرائی پہاڑوں اور وادیوں میں انسان خود کو فطرت

کے کتنا قریب محسوس کرتا ہے۔

سڑک زگ زیگ کی شکل میں پہاڑوں پر چڑھنے لگی۔سامنے کی وادی کے بعد ہمیں عسفان کا شہر صاف نظر آرہا تھا۔ہم بس چلے جارہے تھے راستے میں ہمیں کہیں رکنا نہیں تھا۔عسفان کے بعد روڈ اچانک گہرائی میں جا کر اوپر اٹھنے لگا۔سامنے سیاہ رنگ کے پہاڑ تھے۔جن پر بے شمار پتھر پڑے ہوئے تھے۔ہم نے اب تک تقریباً ایک سو کلو میٹر کا سفر طے کر لیا تھا۔کیونکہ سامنے ایک بورڈ پر لکھا ہوا آرہا تھا کہ مدینہ ۳۰۵ کلو میٹر۔ہم تیزی سے آگے کی طرف بڑھتے جارہے تھے۔سعودی عرب کے باشندے خوش نصیب ہیں کہ ان کی حکومت اپنے عوام کا خاص خیال رکھتی ہے۔ہر گاؤں میں ایک اسپتال ایک اسکول حکومت کی طرف سے بنوا کر دیا جاتا ہے۔جو لوگ یہاں غریب ہیں ان کو مفت تعلیم اور بیمار پڑنے پر مفت علاج کی سہولت دستیاب ہوتی ہے۔یہاں کی سڑکیں لاجواب ہوتی ہیں کہیں بھی چلے جایئے سڑکیں نہایت عمدہ ہی ملیں گی۔ یہاں کا قانون بہت سخت ہونے کی وجہ سے ٹھیکیدار بھی ڈر کر اچھی سڑکیں بناتے ہیں ورنہ ان کو غلط کام کرنے کے پاداش میں اپنی جان سے ہاتھ دھونا پڑ سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انھیں خوب نوازا ہے۔ یہاں کے لوگ شرک نہیں کرتے ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا شکر بجالاتے ہیں۔اللہ کی تعریف ہر وقت ان کی زبان پر موجود رہتی ہے۔ان کی توکل صرف اللہ تعالیٰ پر ہی رہتی ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے انھیں مالا مال کر رکھا ہے۔تپتی ریت میں سونا،کیمیکل،تیل اور پہاڑوں میں دیگر دھات موجود ہیں۔ابھی تو یہ لوگ صرف تیل پر ہی اکتفا کئے ہوئے ہیں اگر تیل کے دخائر ختم ہو گئے تو پہاڑوں کے نیچے دیگر دھات اور نہ جانے کون کون سے ذخائر دفن ہیں جن کے بارے میں ابھی تک یہ لوگ جانتے ہی

نہیں۔انہی دخائر سے دیگر تمام ممالک کے لوگ فائدہ اٹھا رہے ہیں۔

دوپہر ہو چکی تھی سورج پوری تمازت کے ساتھ اپنا جلوہ دکھا رہا تھا۔ہماری گاڑی ائر کنڈیشن تھی اس لئے ہمیں گرمی محسوس نہیں ہو رہی تھی۔آگے بہت بڑا برساتی نالہ تھا جس پر ایک طویل پل بنا ہوا تھا۔اس سے گزر کر ہم وادیٔ ستارہ میں داخل ہو گئے۔دور دور تک پھیلا ہوا صحرا نظر آرہا تھا۔

ایک چھوٹا سا گاؤں نظر آیا۔سامنے ایک مسجد اور چھوٹا سا ہوٹل جسے ہمارے یہاں ڈھابا کہا جاتا ہے ہم اس میں رک گئے۔بچے بھی بہت پریشان ہو رہے تھے سب نے نیچے اتر کر پیر ہاتھ سیدھے کئے۔پانی پیا اور پھر ہم نے اس ہوٹل میں کھانا کھایا۔

ظہر کی نماز کا وقت قریب تھا ہم نے پھر سمجھا کہ نماز ادا کر لی جائے اس کے بعد سفر کیا جائے گا۔نماز سے فارغ ہو کر ہم سب نے پھر سے سفر شروع کر دیا۔گاڑی کو پھر مدینہ جانے والے روڈ پر ڈال دیا اور ہم اپنی منزل مقصود کی جانب روانہ ہو گئے۔اب ہم وادی الفارع سے گزر رہے تھے۔ یہاں کے پہاڑ ہلکے گِرے رنگ کے تھے۔آنکھوں کو بہت خوبصورت دکھائی دے رہے تھے۔اس وادی کے گزرتے ہی ہم وادی ارن میں داخل ہو چکے تھے یہ بھی اللہ تعالیٰ کا کمال ہے کہ ہر وادی ایک الگ رنگ لے کر نمودار ہو رہی تھی ہم اللہ تعالیٰ کے اس عجوبے کو دیکھ رہے تھے اور دل ہی دل میں اللہ کی ان نعمتوں کا شکریہ ادا کر رہے تھے کہ اس نے ہمیں یہ سب دیکھنے کی توفیق عطا کی ہے۔اور ہمیں اس بات کا موقع بھی دیا تھا کہ ہم اس وادیوں کو اپنی کھلی آنکھوں سے دیکھ کر اللہ کے ان بے شمار نظاروں کا احساس کر لیا کہ ایک وادی اگر کالے رنگ کے پتھروں سے مزین تھی تو دوسری فوراً ہی لال رنگ کے پتھروں والی وادی شروع ہو رہی تھی پھر بھورے رنگ کے پتھروں والی وادی سامنے آجاتی ہے اور پھر

گِرے رنگ کی وادی یہاں اللہ تعالیٰ پھر یہ فرماتا ہے کہ تم میری کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ میری یہ نعمتیں تمہیں ہر طرف نظر آتی ہی رہیں گی۔

وادیٔ قدید دراصل ایک بہت بڑے آتش فشائی میدان کا نام ہے۔ قدیم دور میں یہاں آتش فشاں پھٹتے رہتے تھے۔ اس میدان کو حرارت راحتہ کا نام دیا گیا ہے نہ جانے اس کی وجہ تسمیہ کیا ہے۔

اب ہم ایسے علاقہ میں داخل ہو رہے تھے جہاں بکثرت برساتی نالے تھے۔ جن پر پل بنے ہوئے تھے۔ سیاہ پہاڑوں میں ایک براؤن رنگ کی پہاڑی تھی اور حیرت انگیز طور پر یہاں کی ریت کا رنگ اورینج تھا۔ یہ وادی الفرع تھی۔ مدینہ یہاں سے ۱۰۴ کلو میٹر دور رہ گیا تھا۔

ایک درّہ سے گزرنے کے بعد ہماری دائیں جانب ایک وسیع میدان نظر آیا جو ریس کورس کے طور پر استعمال ہوتا تھا۔ اس کے بعد کون نما سرخ پہاڑیاں تھیں یہ وہی مقام ہے جہاں غزوہ عمراء الاسد ہوا تھا۔ احد کی جنگ کے بعد زخموں سے چور اسلامی افواج کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ تیاری کا حکم دیا تھا۔ خدا کے یہ بندے اس کے رسول کے حکم پر اپنے زخموں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے دوبارہ اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ اور انھوں نے مشرکین کے لشکر کا تعاقب کیا اور حمراء الاسد کے مقام تک آئے۔ مشرکین کی فوج نے ان کا مقابلہ نہ کیا اور رفتار تیز کر کے نکل گئے۔ اس لشکر کشی نے بڑی حد تک کفار کی اس خود اعتمادی کو توڑ دیا جو احد کی جنگ میں مسلمانوں کو نقصان پہنچا کر پیدا ہوئی تھی۔ اس طرح کے نتیجے میں مسلمانوں کی خود اعتمادی میں اضافہ ہوا تھا۔

اب مدینہ ۱۷ کلو میٹر دور رہ گیا تھا۔ گلابی رنگ کی پہاڑیوں سے گزرتے ہوئے حرم

مدینہ کے حدود جا پہنچے۔ یہ جبل عیر کہلاتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جبل عیر سے لے کر جبل ثور (مکہ کی پہاڑی کی طرح سے ہے اسے بھی جبل ثور کہا جاتا ہے) کو حرم قرار دیا۔ یہاں مکہ کی طرح چیک پوسٹ بنی ہوئی ہے اور "للمسلمین فقط" کا بورڈ لگا ہوا ہے۔ غالباً انہی پہاڑوں میں مدینہ کی بچیوں کے وہ نغمے بھی گونج رہے ہوں گے جو انھوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ آمد پر پڑھے تھے۔ روڈ کے درمیان کھجور کے درخت ایک لائن سے کھڑے ہیں۔ اب ہم مدینہ میں داخل ہو رہے تھے۔

مدینہ ایک گول شکل کا شہر ہے۔ جس کا مرکز مسجد نبوی ہے۔ مسجد کے گرد ایک سڑک بنی ہوئی ہے۔ جسے مدینہ کا پہلا رِنگ روڈ کہا جاتا ہے۔ اس سے چھ سات کلو میٹر کے فاصلے پر دوسری رنگ روڈ ہے جو مدینہ شہر کا ایک چکر لگاتی ہے۔ اس سے مزید فاصلہ پر ایک تیسری رنگ روڈ ہے جو شاہ خالد سے موسوم ہے۔ اگر آپ کسی بھی رِنگ روڈ پر سفر کریں اور کسی جانب سے نہ مڑیں تو آپ گھوم کر اسی مقام پر آجائیں گے جہاں سے چلے تھے۔

تیسری رِنگ روڈ حرم مدینہ کی باؤنڈری لائن ہے۔ اسی روڈ سے مشرقی سمت ریاض شمالی سمت تبوک، مغربی سمت بدر اور جنوبی سمت مکہ اور جدہ جانے والی ہائی وے نکلتی ہیں۔ دوسرا رنگ روڈ موجودہ مدینہ کی باؤنڈری لائن ہے اور پہلا رنگ روڈ مسجد نبوی کی۔ یہاں سے مختلف سمتوں میں سڑکیں دوسرے اور تیسرے رنگ روڈ تک جاتی ہیں ان کے نام صحابہ کرام جیسے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ناموں پر رکھے گئے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور کا مدینہ موجودہ شہر کے دوسرے رنگ روڈ کے

دائرے میں آباد تھا۔اس دور میں مختلف خاندانوں کی الگ الگ بستیاں تھیں جو پورے پورے علاقے میں ایک دوسرے سے تھوڑے تھوڑے فاصلے پر پھیلی ہوئی تھیں۔موجودہ ٹاؤن پلاننگ میں یہ پورا علاقہ شہر کے اندر آگیا ہے۔

تھوڑی دور جا کر ہم نے اپنی گاڑی عمر بن خطاب روڈ کی جانب موڑ دی تھوڑی دور چلے تو پہلے رنگ روڈ کا سگنل تھا جس کے دوسری طرف مسجد نبوی اپنی بہاریں دکھا رہی تھی۔یہ مسجد کی جنوب مغربی سمت تھی۔اور گنبد خضرا یہاں سے صاف نظر آرہا تھا۔مسجد نبوی کے اطراف پارکنگ کا شاندار انتظام ہے۔یہاں ایک ریال فی گھنٹہ کے حساب سے جتنی دیر چاہے گاڑی پارک کی جاسکتی ہے۔پارکنگ کر کے باہر نکلتے ہی مسجد نبوی بالکل سامنے ہوتی ہے۔دراصل پارکنگ مسجد کے صحن میں بنائی گئی ہے۔جو مسجد کا حصہ نہیں ہے۔

مسجدِ نبوی ﷺ

مسجد الحرام کے برعکس مسجد نبوی عام مسجدوں کی طرح چوکور شکل کی ہے۔اس کے چاروں طرف مسجد کے صحن ہیں جو سروس ایریا کا کام کرتے ہیں۔رش کے دنوں میں یہاں صفیں بنا کر نماز بھی ادا کی جاتی ہے۔صحن کے باہر جنوب اور شمال میں ہوٹل اور ریسٹورنٹ مارکیٹ وغیرہ ہیں۔ہم پارکنگ کر کے گیٹ نمبر ایک سے نکل کر اوپر آئے تو سامنے ہی گنبد خضرا پوری آب وتاب کے ساتھ چمک رہا تھا۔

قبلہ مسجد کے جنوبی سمت میں ہے۔اس جانب مسجد تھوڑی سی آگے کو نکلی ہوئی ہے۔یہ سلطنت عثمانیہ کے زمانہ کی مسجد ہے۔سعودی دور میں اس کی دو مرتبہ توسیع ہو چکی ہے۔ جنوبی دیوار میں امام صاحب کا مصلیٰ ہوتا ہے۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور کی مقرر کی ہوئی مسجد اس کے اندر ہے۔اسی کو آپ نے جنت کا حصہ قرار دیا ہے۔یہ ریاض الجنۃ کہلاتا

ہے۔اس کی پہچان یہ ہے کہ اس کے کارپیٹ ہلکے سبز رنگ کے ہیں جب کہ پوری مسجد کے اندر بچھے ہوئے کارپیٹ لال رنگ کے ہیں۔

ریاض الجنۃ کے بائیں جانب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا روضہ ہے۔یہ دراصل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا کمرہ تھا۔جہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی اور آپ کو اسی کمرہ میں دفن کیا گیا تھا۔

دیگر امہات المومنینؓ کے کمرے بھی یہیں تھے۔ان ہی کا ذکر سورۃ الحجرات میں ہوا ہے۔سیدہ فاطمہؓ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا گھر بھی ساتھ ہی واقع تھا۔اس پورے ایریا کو سلطنت عثمانیہ کے زمانے میں ہی چاروں طرف جالیاں لگا کر محفوظ کر دیا گیا تھا۔تین اطراف میں یہ جالیاں سبز ہیں اور جنوبی سمت میں ان کا رنگ سنہری ہے۔ان جالیوں میں تین سوراخ ہیں جن میں بڑے سوراخ کے عین سامنے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور ہے۔چھوٹے دونوں سوراخوں کے سامنے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی قبریں موجود ہیں۔یہیں کھڑے ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے قریبی ساتھیوں کے لئے درود پیش کیا جاتا ہے۔

منبر رسول ﷺ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر و مصلیٰ نمایاں ہیں۔آپ کے مصلیٰ کی جگہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک محراب تعمیر کرائی تھی۔موجودہ محراب سے دائیں جانب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مصلیٰ ہے۔

آپ کے منبر کی جگہ اب نو سیڑھیوں والا منبر ہے۔آپ کا اصل منبر تین سیڑھیوں والا تھا۔اور آپ دوران خطبہ اس کی سب سے اوپر والی سیڑھی پر تشریف فرما ہوتے تھے۔حضرت

ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے دوسری اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نیچے والی تیسری سیڑھی پر بیٹھنا شروع کیا۔ بعد میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے منبر نبوی کے نیچے مزید سیڑھیاں بنوا کر منبر کو اونچا کر دیا۔ اس طرح بعد کے بادشاہ نچلی سیڑیوں پر بیٹھتے رہے۔

تاریخی حوالوں سے پتہ چلتا ہے کہ ۶۵۴ھ میں مسجد نبوی میں آگ لگ گئی اور وہ منبر جل گیا۔ اس موقع پر یمن کے بادشاہ مظفر نے منبر بھجوایا۔ اس کے بعد بھی یہ منبر کئی مرتبہ تبدیل ہوا۔ آخری منبر سلطان مراد ثالث عثمانی نے ۹۹۸ھ میں بھیجا تھا جو آج بھی محفوظ ہے ۔وہی منبر یہاں رکھا ہوا ہے۔ (تاریخ مدینہ)

ریاض الجنۃ میں ہر وقت بھیڑ رہا کرتی ہے وہاں لوگ موقعے کا انتظار کرتے ہیں کہ کب موقع ملے ذرا سی جگہ ملتے ہی فوراً نماز پڑھنا شروع کر دیتے ہیں کیونکہ اللہ کے رسول نے اس جگہ کو ریاض الجنۃ یعنی جنت کا باغیچہ قرار دیا ہے۔ ہر وقت دھکم پیل رہتی ہے لوگ صرف اپنی فکر میں جگہ پر قبضہ جمائے بیٹھے رہتے ہیں۔ دوسروں کو یہاں آنے کا موقع نہیں دیتے یہی ذہنیت حجر اسود کو بوسہ دینے کے وقت بھی ہوتی ہے۔ کیا یہی اچھا ہوتا کہ ہم یہاں تھوڑی سی عبادت کر کے دوسروں کو بھی عبادت کرنے کا موقع دیں۔

خواتین کے لئے ریاض الجنۃ مختلف اوقات میں کھولا جاتا ہے اس دوران مردوں کو وہاں سے نکال دیا جاتا ہے اس کے اطراف میں ہرے رنگ کی ریگزین کی دیواریں کھڑی کر دی جاتی ہیں اور انھیں دیواروں کی مدد سے خواتین کو یہاں تک آنے کے لئے راستہ بنایا جاتا ہے۔

تاریخ کا مطالعہ کرنے پر معلوم ہوا کہ مسجد نبوی کی تعمیر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ آمد کے فوراً بعد کی۔ جس میں تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ایک ٹیم کی صورت میں کام کیا

۔مسجد کی پہلی توسیع آپ نے تقریباً سات سال بعد خیبر سے واپسی پر کی۔ مسجد کے ستون کھجور کے درختوں کے تھے۔ بعد میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں ان تینوں کو تبدیل کرا دیا۔ کیونکہ کھوکھلے ہو گئے تھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور میں بھی مسجد نبوی میں مزید توسیع کی گئی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے قبلہ کی جانب توسیع کی جو آج تک موجود ہے۔ اس کے بعد ہمیشہ شمال، مشرق اور مغرب کی جانب مسجد کی توسیع کی گئی۔

تاریخی مشاھدہ

ولید بن عبدالملک کے دور میں حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ جو مدینہ کے گورنر تھے نے مسجد کی توسیع و تعمیر کی۔ اس کے بعد مہدی عباسی کے دور میں بھی مزید توسیع ہوئی۔ مصر کے سلطان اشرف قاتیبائی نے ۸۸۸ھ میں مسجد کی مزید توسیع کی۔ ترکی کے سلطان عبدالمجید کے دور میں ۱۲۶۵ھ میں مسجد نبوی کی از سر نو تعمیر کی گئی۔ سعودی دور میں مسجد النبی کی دو مرتبہ تعمیر و توسیع کی گئی۔ پہلی توسیع ۱۹۵۵ء اور دوسری توسیع ۱۹۸۴ء میں کی گئی ان دو توسیعات کے نتیجے میں مسجد نبوی جدید ترین آلات اور سہولیات سے آراستہ ہو گئی۔ مسجد کے ہر ستون میں سے ائرکنڈیشن کا پوائنٹ دیا گیا ہے۔ جس سے ہر وقت ٹھنڈی اور تازہ ہوا نکلتی رہتی ہے۔ پہلی سعودی توسیع کے بعد مسجد میں اٹھائیس ہزار نمازیوں کی کنجائش تھی جو دوسری تعمیر کے بعد دو لاکھ ارسٹھ ہزار تک جا پہنچی اور اگر صحنوں کی گنجائش کو ملا لیا جائے تو کل چار لاکھ تیس ہزار نمازی اب یہاں نماز ادا کر سکتے ہیں۔ (تاریخ مدینہ صفحہ ۸۱۔۶۶)

موجودہ مسجد نبوی کے بہت سے دروازے ہیں۔ شمالی یعنی قبلہ کی مخالف سمت میں تین بڑے دروازے ہیں جن میں سے درمیان والا دروازہ باب فہد کہلاتا ہے۔

یہ مردوں کے لئے مخصوص ہے اور دوسرے دو دروازے خواتین کے لئے مخصوص ہیں ۔مسجد کے شمالی حصے میں دائیں اور بائیں جانب خواتین کے لئے مخصوص جگہ ہے جس کے گرد پردہ کی دیواریں لگا دی گئی ہیں ۔اس کے علاوہ باب سعود مردوں کے لئے مخصوص ہے۔

عثمانی دور کی مسجد میں مغربی دیوار میں باب سلام اور باب صدیق ہیں ۔جب کہ مشرقی دیوار میں باب بقیع ۔باب جبریل اور باب نساء ہیں باب جبریل اور باب نساء سے داخل ہو کر بھی سیدھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ انور کے بالکل قریب پہنچا جاسکتا ہے۔

مسجد میں ایک تین منزلہ لائبریری تعمیر کی گئی ہے جو دو حصوں پر مشتمل ہے جہاں مختلف اقسام کی مذہبی کتابیں قرآن حدیث اور تبصرے کئے ہوئے سعودی اور پورے عالم کے علماء دین کے لکھے ہوسہ پارے موجود ہیں جن میں فقہ ،اصول ،عربی زبان وادب ، سیاسیات نفسیات اور بہت سے علوم پر مشتمل کتابیں موجود ہیں ۔مسجد کے درمیان میں کھلی چھت چھوڑ دی گئی ہے جس پر چھتریاں لگی ہوئی ہیں ۔دھوپ اور گرمی میں ان چھتریوں کو کھول دیا جاتا ہے جبکہ رات میں اور سردی کے دنوں میں انھیں بند کر دیا جاتا ہے۔

مسجد کے اندرونی چھت پر حرکت کرنے والے گنبد ہیں جو دن میں ہوا دان کا کام انجام دیتے ہیں اور رات کے وقت ان کو بند کر دیا جاتا ہے۔

مسجد نبوی دنیا بھر کے بہترین کاریگروں کی محنت کا شاہکار ہے ۔بے شمار انجینئر، آرکیٹکٹس معمار، بڑھی ،مزدور، ماربل کا کام کرنے والے الیکٹریشن اور نہ جانے کن کن شعبوں کے ماہرین نے اس کی تعمیر میں حصہ لیا تھا۔جس کے نتیجے میں یہ شاہکار سامنے آیا۔مسجد کا پرانا حصہ عثمانی بادشاہوں کا تعمیر کردہ ہے ۔انھوں نے اپنے دور میں مسجد کی تعمیر کے لئے دنیا

بھر کے بہترین ماہر کاریگروں کو اکٹھا کیا تھا۔انھیں مدینہ میں آباد کیا۔انھیں حکم دیا گیا تھا کہ وہ اپنا فن اپنی اولادوں میں منتقل کر دیں ۔جب ماہرین کی یہ نئی ٹیم جوان ہوئی تو اس سے مسجد نبوی کی تعمیر کروائی گئی ۔دو سو سال گزارنے کے بعد بھی یہ تعمیر ابھی نئی لگتی ہے ۔سعودی توسیع کے دوران اس حصے کو اپنی اصل حالت میں ہی رکھا گیا ہے۔

تاریخ کے اوراق سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ موجودہ مسجد نبوی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے پورے مدینہ شہر پر مشتمل ہے ۔ہم نے جب سیرت نبوی میں شائع ہونے والے عہد رسالت کے مدینہ کا نقشہ دیکھا اور لائبریری جا کر مدینہ کا ماڈل دیکھا تو یہ اندازہ ہوا کہ پورے مدینہ پر تو یہ مسجد مشتمل نہیں بلکہ اس کے تقریباً آدھے حصہ پر تو ضرور بنی ہوئی ہے۔
دراصل اس دور کے محلے ایک دوسرے سے ذرا فاصلے پر ہوتے تھے ۔ایک محلہ سے دوسرے محلہ جانے کے لئے تھوڑا ،بہت چلنا پڑتا تھا۔اسوقت آبادی بہت کم ہوتی تھی جب کہ آج ہمارے قصبے اور محلوں میں گنجان آبادی ہوتی چلی جارہی ہے۔

مسجد کے شمال میں بڑے بڑے ہوٹل ہیں جو بہت مہنگے ہیں ۔ان کا یومیہ کرایہ سیزن میں ۸۰۰ ریال یا اس سے زیادہ ۔اور آف سیزن میں ۳۰۰ ریال یا اس سے کچھ زیادہ چارج کیا جاتا ہے ۔اسی طرح فرسٹ رنگ روڈ کے باہر ایک محلہ ہے جو بنگالی محلہ کہلاتا ہے ۔یہاں سستے کمرے مل جایا کرتے ہیں لیکن ان میں صفائی کا انتظام مناسب نہیں ہوتا اسی محلے میں بہت سے پاکستانی ہوٹل واقعے ہیں جہاں چٹخارے دار کھانے مل جاتے ہیں ۔مسجد کے مغربی اور جنوب کی جانب مارکیٹیں ہیں جہاں بہت سی اشیاء برائے فروخت ہوتی ہیں۔

ہم نے خواتین کو لیڈیز حلقہ کی طرف روانہ کیا اور اس کے بعد باب بقیع سے مسجد نبوی میں داخل ہوئے ۔میرے دائیں جانب مواجہہ شریف کی سنہری جالیاں تھیں ۔ان کے سامنے

بہت سے لوگ کھڑے درود وسلام پڑھ رہے تھے۔ایک صاحب جو شائد سعودی عرب کی پولس سے تعلق رکھتے تھے عربی لباس میں تھے وہ آنے والے لوگوں کو کنٹرول کر رہے تھے۔ہم نے بھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کی طرف رخ کر کے بڑے سوراخ میں جھانک کر دیکھا وہاں اندھیرا تھا ایک کونے میں بہت ہی کم روشنی والا ایک بلب جل رہا تھا ۔گویا پوری مسجد روشنی میں نہائی ہوئی تھی لیکن حضورؐ کی قبر مبارک پر اندھیرا سا لگتا تھا۔ہم نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سلام پیش کیا۔اور درود شریف پڑھا اس کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور بعد میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بھی سلام پیش کیا۔درود دراصل حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے رحمت کی دعا ہے۔آپ یقیناً ہماری دعا کے محتاج نہیں ہیں لیکن ایک فقیر سخی کو دعا کے علاوہ دے بھی کیا سکتا ہے۔

مجھے یقین ہے کہ اس مقام پر اللہ تعالیٰ کے انوار کی بارش ہو رہی ہوگی۔اس میں میرا وجود عجیب سا لگ رہا تھا پھر مجھے خیال آیا کہ سمندر میں ناپاک قطرہ گرنے سے سمندر کو تو کوئی فرق نہیں پڑتا البتہ سمندر اس قطرے کو خود میں فنا کر کے پاک کر دیتا ہے اس طرح انسان کے گناہوں کو حرم کی حاضری دھو کر پاک کر دیتی ہے۔

ہم نے اب مسجد کے اندر جا کر دو رکعت نماز تہیت المسجد پڑھی عصر کی نماز کا وقت ہو چکا لہذا ہم جماعت میں شامل ہوئے۔

ریاض الجنۃ قریب ہی تھا۔یہاں ہمیں نوافل پڑھنے کا موقع مل گیا۔ریاض الجنۃ کے قریب ہی اصحاب صفہ کے پاس ایک جگہ چبوترے پر بیٹھ گئے مغرب کے وقت کا انتظار کرنے لگے ۔اس چبوترے کو دیکھ کر میں تاریخ کے ان اوراق میں کھو گیا جہاں وہ منظر سامنے آ گیا۔جب مدینہ ہجرت کرنے والے بے سروسامان اکیلے مرد یہاں رہا کرتے تھے۔

اہل مدینہ کی برادری ان کا خیال رکھتی تھی۔اور چند ہی دنوں میں وہ اپنے پاؤں پر کھڑے ہو جایا کرتے تھے ۔ یہاں رہ کر وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن سمجھتے اور اپنے رب کی عبادت میں مشغول رہتے۔سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بھی انھیں لوگوں میں سے ایک تھے جن کی بدولت ہمیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کی تفصیلات کا ایک بڑا حصہ میسر آیا

ہم نے مغرب کی نماز ادا کی ۔ہمارے ارد گرد بہت سے لوگ جو ہندوستان پاکستان بنگلہ دیش،سعودی عرب،ملیشیا،چین اور جاپان سے تعلق رکھتے تھے بیٹھے دعا مانگ رہے تھے ہم ان کی زبان سے واقفیت نہیں رکھتے لیکن اتنا ضرور جان گئے تھے کہ یہ اپنے رب سے اپنا اور اپنے احباب کے گناہوں کی بخشش کی دعا ضرور مانگ رہے ہیں۔

مسجد کے درمیانی حصہ میں ایک بزرگ جو عرب سے تعلق رکھتے تھے ایک کرسی پر بیٹھے تھے اور کچھ درس دے رہے تھے ۔لوگ زمین پر بیٹھے بڑے انہماک سے ان کی باتیں سن رہے تھے۔

ہم مغرب کی نماز کے بعد مسجد سے باہر نکلے تو سفید روشنیوں میں بنایا ہوا گنبد حضرا بہت بھلا لگ رہا تھا۔یہ گنبد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے کے عین اوپر بنا ہوا ہے۔

رات میں مسجد نبوی بند کر دی جاتی ہے۔صبح تین بجے اسے تہجد کی نماز کے لئے کھول دیا جاتا ہے لوگ ہزاروں کی تعداد میں نماز کے لئے مسجد میں آجاتے ہیں ۔اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو صرف اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔ساتھ ہی جنوں کو بھی اپنی بندگی کے لئے پیدا کیا ہے ۔لیکن ہم جو انسان ہیں پستی میں اس قدر گرے کہ اس کی عبادت کو بھول بیٹھے اور طرح طرح کی خرافات میں پھنس گئے جبکہ اللہ کی دوسری مخلوق اپنے کام پر لگی ہوئی ہے وہ ہر کام اپنے وقت پر کرتے ہیں۔جن کو عبادت میں لگا دیا گیا ہے وہ صرف

عبادت ہی کرتے رہتے ہیں چرند پرند، پودے، ہوا، سورج، چاند، ستارے سب اپنے اپنے کام پر معمور ہیں۔

یہاں آ کر معلوم ہوا کہ دنیا میں کچھ نہیں رکھا ہے جو کچھ ہے انسان کا اعمال ہیں جو اس کے ساتھ جائیں گے توحید ہی سب کچھ ہے اگر آپ توحید کے پابند ہیں تو آپ کے لئے دین اور دنیا دونوں کا مزا ہے۔ اللہ کی ذات ایک ہے، اس کا کوئی شریک نہیں۔ شرک سب سے بڑا گناہ ہے۔

یہاں شرک نہیں ہے سعودی عرب کا بچہ بچہ اس بات سے واقف ہے کہ شرک اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت بڑا گناہ ہے اس لئے شرک اس قوم میں بالکل نہیں ہے۔ شرک نہ ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس قوم کو اپنی رحمت سے ہر طرح سے نوازا ہے۔

عشاء کی نماز کا وقت ہو چلا تھا۔ ہم نے مسجد کے باہر نکل کر ایک ہوٹل میں سے کچھ کھانے پینے کی اشیاء خریدی اور مسجد کے صحن کے باہر ایک کھلی جگہ پر چادر بچھا کر بیٹھ گئے۔ سب لوگ تھک گئے تھے اس لئے عشاء کی نماز پڑھ کر سب سونا چاہتے تھے۔ لہٰذا عشاء کی نماز سے پہلے ہم نے کھانے سے فراغت اختیار کی اور پھر مسجد میں عشاء کی نماز کے لئے چل دیئے۔

نماز کے بعد ہم نے ایک ہوٹل میں کمرہ بک کیا اور اس میں جا کر آرام کرنے کی غرض سے چلے۔ مسجد کے اطراف کافی بھیڑ تھی۔ ہم جلد از جلد اپنے ہوٹل پہنچ جانا چاہتے تھے۔ تا کہ وہاں جا کر آرام کر سکیں۔ صبح کو جلدی اٹھنا بھی تھا تہجد کی نماز کے لئے۔ اور پھر دوسرے دن ہمیں مقامات مقدسہ کی زیارت کے لئے بھی جانا تھا۔ لہٰذا ہم اپنے ہوٹل پہنچ گئے۔ تھکن کی وجہ سے چور چور ہو چکے تھے۔ اس لئے بغیر کسی تکلف کے ہم نے سونے میں ہی اکتفا کی۔

رات کی تاریکی میں یہاں کبھی غلط کام نہیں ہوتے۔ یہ حرم شریف ہے یہاں کسی کو کسی بات کا ڈر نہیں ہے اس لئے امن و امان قائم ہے۔ ذرا سی غلطی کی سزا بہت بڑی ملتی ہے۔ کوئی چوری کرلے تو اس کے ہاتھ کاٹ دیئے جاتے ہیں۔ زانی کو آج بھی سنگسار کیا جاتا ہے قاتل کو پھانسی یعنی اس کی گردن اڑا دی جاتی ہے۔

اللہ کا ڈر اور سزا کا خوف

سزائے موت دینے کا طریقہ بھی یہاں سب سے الگ ہے۔ پہلے ملزم پر جرم ثابت کرنا ہوتا ہے جب اس کا جرم ثابت ہو جاتا ہے اور اگر جج نے اس کو سزائے موت تجویز کی ہے تو فوراً ہی اس کی سزا پر عمل کرایا جاتا ہے۔ مکہ مدینہ چھوڑ کر بہت سے علاقوں کی مسجدوں میں سرِ عام مجرم کو سزائے موت دی جاتی ہے۔ اکثر یہ سزا جمعہ کی نماز کے بعد کھلے میدان میں دی جاتی ہے تا کہ سب لوگ اس عبرت ناک واقع کو دیکھیں اور انھیں بھی اس طرح کے جرم کو کرنے میں ڈر محسوس ہو۔ اس کے علاوہ یہ اسلامی روایات اور قانون پہ عمل درآمد کرنے کے لئے ایک ایسا ذریعہ ہے۔ جس کی وجہ سے دنیا بھر سے آئے ہوئے لوگ اس کا نظارہ کر سکیں اور اپنے اپنے ملک اور علاقوں میں جا کر اپنے لوگوں کو بتا سکیں کہ اسلامی قانون کیا ہے۔

.بہت سے ہاتھ کٹے ہوئے لوگ سڑکوں پر بھیک مانگا کرتے ہوئے نظر آئے۔ یہ ان کے لئے باعث شرم بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب چوری کرنے کو منع کیا ہے تو پھر اس کی خلاف ورزی کی سزا تو ان کو بھگتنا ہی پڑے گی۔ اور یہ سزا صرف ہاتھ کاٹنے تک محدود نہیں رہ جاتی بلکہ عمر بھر اس کے چہرے پر چور ہونے کا داغ بھی لگ جاتا ہے۔ ایسے لوگوں کو کوئی نوکری دینا بھی گوارہ نہیں کرتا۔

سعودی حکومت کی خوشحالی

سعودی عرب ایک خوشحال ملک ہے یہاں کے بسنے والے وطنی لوگ زیادہ تر تجارت اور کاشت کاری کرتے ہیں ۔حلال وحرام کی خاص جانکاری سب کو حاصل ہے ۔ یہاں کے لوگ کافی چالاک اور ذہین ہوتے ہیں ۔انھیں غلامی پسند نہیں وہ خودمختاری پسند کرتے ہیں ۔وہ نوکری بہت کم کرتے ہیں ۔مکہ کے لوگ عموماً سخت اور گرم مزاج کے ہوتے ہیں جبکہ مدینہ کے لوگ نہایت نرم مزاج اور خوش اخلاق ہوتے ہیں لیکن ان سب میں ایک بات مشترک ہے کہ یہ مہمان نواز ہوتے ہیں ۔جس کے ساتھ دوستی کرتے ہیں تو اپنی جان لڑادیں گے لیکن دشمنی اگر ہوگئی تو مشہور ہے کہ صدیوں تک قائم رہتی ہے ۔(واللہ عالم)

صبح تہجد کی اذان سن کر ہم اٹھ بیٹھے اور فوراً ہی تیار ہو کر مسجد نبوی کی طرف چل دیئے ۔ راستہ میں ہم نے دیکھا کہ سیکڑوں لوگ ادھر ادھر کی گلیوں محلوں سے نکل کر مسجد کی طرف بڑھ رہے تھے ۔ہم نے بھی انھیں بندگانِ خدا کے ساتھ ساتھ قدم ملاتے ہوئے مسجد کے دروازے تک پہنچے ۔وضو کیا اور نماز تہجد پڑھ کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کے لئے ہاتھ اٹھا دیئے ۔

ہماری آنکھوں میں زار وقطار آنسو نکل رہے تھے بس ہم تو اللہ سے گڑگڑا کر ہی دعا مانگ رہے تھے کہ اے اللہ جس طرح تو نے مجھے نیک وصالح اولاد عطا کی ہے دوسروں کو بھی ایسی ہی اولادیں عطا کر ۔میرے بیٹے نے جس خلوص اور ہمدردی کا مظاہرہ میرے ساتھ کیا ہے اللہ سب کو ایسی اولاد عطا فرما ۔میرے ایک بار کہنے پر اس بیٹے نے جس کو اپنے اسکول میں کام کاج سے فرصت نہیں ملتی مجھے فوراً ہی عمرہ کرانے نکل پڑا اور پانچ ہزار کلو میٹر کا سفر اور وہ بھی نہایت ہی پیچیدہ کہ جس میں زندگی اور موت کا آمنا سامنا ہوتا رہے ۔ایسے ہی سفر سے مجھے عمرہ کرانے کے لئے وہ نہایت ہی خوش اخلاقی کے ساتھ لے کر یہاں آیا۔

اور آج اللہ کے فضل وکرم سے ہم سبھی لوگ یہاں پر نبوی کے صحن میں بیٹھے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بنائی ہوئی اس مسجد میں نماز ادا کر رہے ہیں جس کا تصور بھی ہم نہیں کر سکتے تھے ۔یہ سب میرے رب کا فضل وکرم ہے اور اس کی مجھ پر کچھ خاص عنایات ہیں ۔جس کے صلے میں مجھے یہ سب کچھ عطا کیا جا رہا ہے ۔

اے اللہ تو رحیم ہے ۔کریم ہے تیرے یہ ادنیٰ سے بندے کیا اس کا صلہ ادا کر سکیں گے ۔بس تو پوری دنیا کے مسلمانوں کو خوش حال بنا دے اور انھیں نیک عمل کرنے کی تلقین کر ۔

فجر کی اذان ہو چکی تھی ۔نماز پڑھنے کے لئے ہم آگے کی طرف بڑھے ہم چاہتے تھے کہ سب سے آگے کی صف میں جگہ پائیں لیکن ایسا ممکن نہیں ہے پھر بھی کافی قریب ہی ہم نے جگہ پائی اور اللہ کی بارگاہ میں باآواز بلند اللہ اکبر کہہ کر نیت باندھ لی ۔

امام صاحب نے نہایت ہی دلفریب آواز میں قرأت پڑھنا شروع کی ہم ان کی آواز کے جادو میں کھو گئے ہمیں ہوش تو اس وقت آیا جب ہم نے سنا اللہ اکبر یعنی سب لوگ رکوع میں جا چکے تھے ہم نے بھی کہا اللہ اکبر رکوع اور سجدہ کے بعد نماز ختم ہوئی ۔نماز سے فارغ ہو کر ہم اپنے ہوٹل واپس آ گئے صبح کا نظارہ دیکھنے کے قابل تھا ۔چاروں طرف سناٹا چھایا ہوا تھا ۔دکانیں بند تھیں لیکن صاف صفائی کرنے والے عملہ نہایت ہی ایمانداری سے اپنا کام انجام دے رہا تھا ۔ایک بڑی سی گاڑی میں یہ لوگ آئے تھے اور گلیوں ،سڑکوں اور اطراف کے چھوٹے چھوٹے محلوں میں صفائی کر رہے تھے ۔

لوگ جس طرح مسجد کی طرف گلیوں اور محلوں سے نکل کر صبح اندھیرے میں مسجد کی طرف بڑھتے ہوئے آئے تھے اسی طرح مسجد سے نکل کر وہ چاروں طرف پھیل رہے تھے ۔ بہت سے دکاندار بھی ان میں شامل تھے وہ اپنی دکانوں کو کھولنے کی تیاری کر رہے تھے ۔جگہ

جگہ ہوٹل والے اپنے مال تیار کر رہے تھے ۔مدینہ میں ایک بات بہت اچھی ہے کہ یہاں کے ہوٹل ہندوستانی یا پاکستانی سب ہی دیسی کھانا بہت اچھا بناتے ہیں ۔صبح ناشتہ میں حلوہ پوری، پایہ، بسکٹ مسکہ، چائے وغیرہ کا ناشتہ عموماً لوگ کھا رہے تھے ۔ہم نے بھی اپنے ہوٹل جا کر پہلے ناشتہ کیا اور پھر مقامات مقدسہ دیکھنے کے لئے تیاری کرنے لگے ۔

مقامات مقدسہ کی سیر

سب سے پہلے ہم نے جنت البقیع جو مدینہ منورہ کا تاریخی قبرستان ہے ۔اس کو دیکھنے کا فیصلہ کیا۔ یہ مسجد نبوی کے مشرق کی طرف واقع ہے ۔بہت سنا ہے کہ پہلے مسجد نبوی اور قبرستان کے درمیان کافی فاصلہ ہوا کرتا تھا لیکن ۱۹۸۵ء کی توسیع جب مسجد نبوی میں ہوئی تو اس کے صحن کو بڑھا کر قبرستان کے قریب تر کر دیا گیا۔ یہ قبرستان یہاں سے دو منٹ کی دوری کے فاصلہ پر ہے ۔عموماً فجر اور عصر کے بعد کھولا جاتا ہے ۔

اب سے تقریباً سو سال قبل یہاں کا نقشہ بھی ہمارے ملک کے قبرستانوں جیسا تھا ۔ جہاں بہت عالیشان قبریں بنی ہوئی تھیں ۔ ۱۹۰۵ء میں ان عمارتوں کو گرا دیا گیا اور ان تمام قبور کو ایک ہاتھ کے برابر کر دیا گیا۔ یہاں یہ متعین کرنا ممکن ہی نہیں ہے کہ کون صحابی کہاں دفن ہیں کیونکہ صحابہ میں قبروں پر کتبے لگائے نہیں جاتے تھے اور نہ ہی انھیں پختہ بنایا جاتا تھا ۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر کے بارے میں البتہ روایت مشہور ہے کہ یہ قبر جنت البقیع کے راستے کے عین بیچ میں واقع ہے ۔ یہاں مدفون صحابہ میں سب سے مشہور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ہیں ۔رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیاں سیدہ زینب، رقیہ، ام کلثوم اور فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی یہیں دفن ہیں ۔امہات المومنین میں سوائے سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے سب کی سب یہیں مدفون ہیں ۔آپ کے صاحبزادے ابراہیم اور نواسے حسن رضی اللہ عنہ بھی

یہیں دفن ہیں ۔

یہاں پر کئی قبریں مزید آنے والوں کے لئے کھدی ہوئی تھیں ۔کھلی قبر پکار پکار کر کہہ رہی تھی کہ اے انسان تو جتنا چاہے زمین کے اوپر چل پھر لے ۔ایک دن تجھے میرے پاس ہی آنا ہے ۔حقیقت یہ ہے کہ قبرستان انسان کو دنیا کی سب سے بڑی حقیقت یعنی موت کی یاد دلاتا ہے ۔اور اسے اس کی اصل منزل کی یاد دہانی کراتا ہے ۔کتنے خوش نصیب ہیں وہ لوگ جنہیں بقیع میں صحابہ و اہل بیت کے قریب جگہ ملے ۔لیکن یہ بات طے ہے کہ آخرت میں معاملہ انسان کے اعمال پر ہی ہوگا ۔اگر کسی کے اعمال درست نہیں تو اللہ ان کو اس کی سزا ضرور دے گا ۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سفر آخرت کو ہمیشہ یاد کیا کرتے تھے ۔کاش ہم بھی ایسا کر سکیں ۔ یہاں کی قبریں ہندوستان کی قبروں کی طرح نہیں ہوتی ہیں بلکہ یہاں بغلی قبر کھودی جاتی ہے ۔اس میں مردے کو لٹا کر اصل قبر کو مٹی سے بھر دیتے ہیں ۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک بھی اسی طرز کی تھی ۔جنت البقیع کافی دور تک پھیلا ہوا میدان جیسا لگ رہا تھا ہم تمام اہل قبور کو سلام اور دعائے مغفرت کے بعد اس قبرستان سے باہر آ گئے ۔

مسجد قُباء کے تعلق سے سنا تھا ۔اسے دیکھنے کے لئے آگے بڑھے ۔قبا مدینہ کی نواحی بستی کا نام تھا ۔ یہاں کی آبادی اسلام قبول کر چکی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں پر ایک مسجد تعمیر کروائی جس کا نام مسجد قُباء پڑ گیا ۔ بعد میں اللہ تعالیٰ نے اس مسجد کے تعلق سے قرآن پاک میں آیت نازل فرمائی کہ یہ مسجد وہ مسجد ہے جس کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی ہے ۔

مسجد قُباء مکہ سے آنے والی طریق الہجر پر واقع ہے ۔آپ مکہ کی طرف سے جب مدینہ میں داخل ہوں تو کہیں مڑنے کی ضرورت نہیں یہ سڑک سیدھی مسجد قباء تک جاتی ہے ۔

قُباء کاعلاقہ نہایت ہی زرخیز اور سرسبز شاداب ہے۔

مسجد قبا کے ارد گرد گھنا سبزہ ہے اور کھجور کے کئی فارم ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بھی یہ ایک زرعی علاقہ تھا۔ احادیث کی کتب میں زراعت سے متعلق کئی روایات ملتی ہیں کہ اس علاقہ کے رہنے والے زیادہ تر لوگ اچھے کاشت کار تھے۔

مسجد قباء میں پہنچ کر ہم نے سب سے پہلے دو رکعت نماز تہیّت المسجد ادا کی۔ یہ مسجد کافی بڑی اور خوبصورت تھی نمازیوں کی بہت بڑی تعداد یہاں نماز کی ادائیگی کے وقت رہتی ہے۔ ایک حدیث میں دو رکعت نماز مسجد قباء میں پڑھنے کی یہ فضیلت بیان کی گئی ہے کہ یہاں دو رکعت نماز پڑھنے سے ایک عمرہ ادا کرنے کا ثواب ملتا ہے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی یہاں نماز پڑھنے کے لئے ہر ہفتہ تشریف لایا کرتے تھے۔ اس مسجد کی پہلی تعمیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کی دوسری تعمیر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں ہوئی۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور میں اس کی توسیع میں اضافہ کیا گیا بعد میں اس کی پھر سے تعمیر و توسیع ہوتی رہی۔ موجودہ تعمیر شاہ فیصل کے دور میں ہوئی اب اس مسجد میں تقریباً ۲۰ ہزار افراد نماز ادا کر سکتے ہیں۔

دوپہر پوری طرح پھیل چکی تھی ہم نے اپنا پروگرام آج کے دن کا ہی بنایا تھا۔ کل ہمیں واپس یہاں سے روانہ ہونا تھا لہذا آج جو کچھ بھی دیکھنا ہے وہ دیکھ لیا جائے کل صبح نماز فجر کے بعد واپسی تھی۔

یہاں عرب میں ایک خاص بات ہم نے نوٹ کی یہاں کی مسجدیں ایک مخصوص طرز پر بنائی جاتی ہیں یعنی اس مسجد کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے جہاں ایک حصہ میں مردوں کے لئے نماز وضو اور تہارت کا انتظام ہوتا ہے تو وہیں دوسرے حصے میں عورتوں کے لئے

الگ سے دروازہ ہوتا ہے جس میں داخل ہو کر پردہ میں رہ کر وہ اپنی نماز اور دیگر ضرورتوں سے فارغ ہو سکتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں پر مسجدوں میں کافی گنجائش رکھی جاتی ہے۔ جبکہ ہندوستان میں عورتوں کو مسجد سے دور رکھا جاتا ہے ایسا کوئی نظام ہمارے یہاں نہیں ہے۔

چونکہ مسجدوں کے سارے اخراجات حکومت ادا کرتی ہے۔ اس لئے یہاں پر صفائی کا خاص خیال رکھا جاتا ہے۔ حکومت اس معاملے میں کافی سختی برتتی ہے کہ مسجد میں کام کرنے والے خادمین مسجد کی صفائی کا خاص خیال رکھیں۔ اگر کسی نے ذرا سی لاپرواہی برتی تو اسے اسی وقت نوکری سے نکال دیا جاتا ہے۔

مسجدوں کے زیارت تر خادمین ہندوستانی اور بنگلہ دیش مزدور ہوتے ہیں۔ یہ بے چارے ایک تو اپنے وطن سے دور اوپر سے مسجد کی نوکری جس میں اللہ اور اس کے رسول کی خوشی شامل ہے یہ سوچ کر مسجد کی طرف پوری توجہ لگا دیتے ہیں اور اس کی صفائی میں صبح سے شام تک لگے رہتے ہیں۔ انھیں تنخواہ تو ملتی ہی ہے لیکن ان کی محنت اور لگن کو دیکھ کر بہت سے عرب یا سیاح ان کو چپ چاپ کچھ ہدیہ دیدیتے ہیں۔ یہ ان کی اوپر والی کمائی ہے اسی لئے یہ دن رات اپنی نوکری بجالانے میں کبھی کسر نہیں چھوڑتے۔

ہم نے ایک قریبی ہوٹل میں کھانا کھانے کا پروگرام بنایا۔ وہ ایک پاکستانی ہوٹل تھا۔ دیکھنے میں تو یہ اتنا اچھا نہیں لگتا تھا کیونکہ صفائی نام کی چیز یہاں کم نظر آرہی تھی۔ پرانی طرز کے ٹیبل اور کرسیاں ادھر ادھر بکھرے پڑے تھے۔ خیر ہم نے کھانے کا آڈر دیا کھانا کچھ بہتر تھا۔ مکہ اور مدینہ میں پاکستانی ہوٹل بہت زیادہ ہیں۔ جہاں کے کھانے میں ہندوستان یا پاکستان کے کھانوں کی لذت آپ کو ضرور مل جائے گی۔ یہاں نہاری، پایہ، قیمہ اور بریانی اکثر تیار ملتی ہیں۔

ایک بات اور نوٹ کی کہ یہاں کے ہوٹلوں میں صرف سالن کے پیسے لئے جاتے ہیں روٹی کے نہیں روٹی آپ جتنی چاہے لے سکتے ہیں۔ اکثر غریب لوگ جب کہ وہ سیاح ہوتے ہیں ایک گروپ کی شکل بنا لیتے ہیں۔ اور ایک سالن لے کر روٹیاں زیادہ اٹھا لیتے ہیں اور کم کم سالن سے روٹیاں کھا کر اپنا پیٹ بھرتے ہیں۔

کھانا کھانے کے بعد ہم نے فیصلہ کیا کہ مسجد قبلتین دیکھنے جانا چاہیے۔ مسجد قبلتین وہ مسجد ہے جہاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز کی عبادت فرما رہے تھے کہ دورانِ نماز میں ہی تبدیلی قبلہ کے احکام نازل ہوئے تھے۔ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں ہجرت کر کے مدینہ میں تشریف فرما ہوئے تو میثاق مدینہ کے مطابق مدینہ کے تمام مسلم وغیر مسلم باشندوں نے آپ ﷺ کو اپنا حکمران تسلیم کر لیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ایک امت ہونے کا شعور پیدا کرنے کے لئے ہمیں ایک قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز کی ادائیگی کا حکم دیا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ کو اپنی پوری امت کا قبلہ مقرر کیا تھا۔ بنی اسماعیل ہمیشہ اس سے وابستہ رہے۔ بنی اسرائیل بھی شروع میں اس کی طرف منہ کر کے عبادت یا قربانی کا اہتمام کرتے رہے۔ تورات میں تفصیل سے خیمۂ عبادت کا ڈیزائن بتایا گیا ہے اور اس کا رخ جنوب یعنی کعبہ کی طرف تھا۔ جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے یروشلم میں بیت المقدس کی مسجد تعمیر فرمائی تو اس کے کچھ عرصہ بعد بنی اسرائیل نے اسے اپنا قبلہ قرار دے دیا۔ (سیرۃ النبی صفحہ ۲۳۰)

اور تاریخی حوالوں سے یہ بات بھی پتہ چلتی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی امت بھی اسی قبلہ کی طرف رخ کر کے عبادت کیا کرتے تھے اور اس کے بارے میں شدید نوعیت کے تعصب میں مبتلا تھے اور چاہتے تھے

کہ ہم مسلمانوں کے قبلہ کی طرف رخ کر کے اپنی عبادت نہ کریں۔ لیکن مجبور تھے چونکہ انھیں یہی بتایا گیا تھا کہ عبادت خانہ کعبہ کے طرف رخ کر کے ہی کیا کرو۔

اللہ تعالیٰ نے ان دونوں اقوام کے دو افراد جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی پر متفق ہو چکے تھے کی آزمائش کے لئے مدینہ ہجرت کے بعد کچھ عرصہ کے لئے بیت المقدس کو مسلمانوں کا قبلہ قرار دیا۔ اس سے بنی اسماعیل کے تعصب پر ضرب پڑی۔ لیکن ثابت قدم قریشی صحابہ نے اللہ کے حکم کے سامنے تعصبات کو قربان کر دیا۔ تقریباً ڈیڑھ برس کے بعد دوبارہ کعبہ کو قبلہ بنایا گیا۔ جس کے نتیجے میں بنی اسرائیل کے وہ لوگ جو مسلمان ہو چکے تھے۔ یا مسلمانوں کے قریب تھے آزمائے گئے اور ان میں سے منافقین کا پردہ خاک ہوگیا (تاریخ اسلام)

مسجد قبلتین مسجد نبوی سے تقریباً چار پانچ کلو میٹر کے فاصلے پر ہے ایک روایت کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہاں شیرین معرور کے یہاں دعوت پر تشریف لائے تھے۔ یہاں ظہر کی نماز کا وقت ہوگیا آپ نے نماز ادا کی۔ تیسری رکعت میں آیت نازل ہوئی۔ اور آپ نے اللہ کے حکم کے مطابق اپنا رخ تبدیل کر لیا۔ چونکہ ۱۸۰ فیصد کی تبدیلی تھی۔ اس لئے لامحالہ چل کر آپ کو دوسرے حصہ کی طرف آنا پڑا ہوگا۔ اور صحابہ نے اپنی جگہ پر ہی اپنا رخ تبدیل کر لیا ہوگا۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور کا مدینہ موجودہ مسجد نبوی تک ہی محدود تھا۔

اس مسجد میں رش بہت زیادہ تھا۔ ہم مسجد میں جوں توں کر کے پہنچ گئے جن لوگوں کو پڑھنا نہیں تھا۔ وہ باہر آ کر مسجد کا نظارہ کر رہے تھے ہم نے یہاں پر دو رکعت نماز تہیت المسجد ادا کی اور مسجد میں مغرب کی نماز تک بیٹھے رہے۔

ہم نے مغرب کی نماز ادا کی اور وہاں سے واپس اپنے ہوٹل کی طرف چل دیئے۔

رات آہستہ آہستہ پھیل رہی تھی لیکن شہر مدینہ روشنیوں میں نہایا ہوا تھا۔خوبصورت بلند و بالا عمارتیں اپنی آب وتاب کے ساتھ کھڑی تھیں راستہ میں بڑے بڑے شوروم، دکانیں، چھوٹے بڑے ہوٹل اور ان پر لگی بھیڑ اس بات کی طرف اشارہ کر رہی تھی کہ یہاں کاروبار بہت اچھا ہے۔اللہ جب نوازتا ہے تو دیتا ہی چلا جاتا ہے۔اور اتنا دیتا ہے کہ لینے والے ہاتھ لیتے لیتے تھک جاتے ہیں لیکن دینے والا کبھی نہیں تھکتا۔

ایک وہ زمانہ تھا جب یہاں کے لوگ کافی کسمپرسی کی حالت میں زندگی گزارا کرتے تھے۔رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھی اس قدر غریب تھے کہ فاقوں تک کی نوبت آجاتی تھی۔پیٹ سے پتھر باندھے اپنا دکھ درد سوائے اللہ کے کسی سے نہ کہتے تھے یہ بھی اللہ کی طرف سے ایک امتحان تھا جس میں آپؐ اور آپ کے صحابہ پورے اترے اور پھر وہ دور بھی آیا کہ اس سرزمین پر تیل کے ذخائر دریافت ہوئے۔

حج کے دوران یہاں کے رہنے والے حاجیوں کی خدمت کیا کرتے تھے۔یہاں آنے والے لوگ تبرک کے طور پر یہاں سے کچھ سامان خرید لیا کرتے تھے۔کھجوروں کا کاروبار کافی زور وشور سے چلنے لگا۔حج کے دو مہینے میں لوگ اپنے پورے سال کی روزی کما لیا کرتے تھے۔اور آہستہ آہستہ یہ سلسلہ اتنا بڑھا کہ لاکھوں لوگ یہاں آنے لگے اور کاروبار بڑھتے بڑھتے اتنا وسیع ہو گیا کہ باہر کے مما لک کے لوگ بھی تجارت کی غرض سے مکہ اور مدینہ اپنا سامان بیچنے لگے۔آج یہ حال ہے کہ سال بھر یہاں سیاح آتے ہی رہتے ہیں اور آنے والے خوب خریداری کرتے ہیں اس طرح یہاں کے معاشی حالات بہت ہی اچھے ہیں۔

لوگوں کے پاس خوب دولت آ رہی ہے۔اللہ نے ان کو دولت کے نئے نئے مواقع

مہیا کئے ہیں۔سنا گیا ہے کہ ابھی تو بہت سے ایسے پہاڑ ہیں جن کی طرف یہاں کی حکومت نے ابھی تک توجہ نہیں دی ہے کہ ان میں کون کون سی دھات کے ذخائر ہیں آہستہ آہستہ جب ان پر یہ راز کھلے گا تو اور بھی دولت اس سرزمین کے رہنے والوں کے حصہ میں آنے والی۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک جہاں جہاں پڑے۔وہاں کی زمین زرخیز ہوگئی۔اس کا فائدہ رہتی دنیا تک اہل عرب اٹھاتے رہیں گے۔

رات کافی ہو چکی تھی ہم اپنے ہوٹل کے کمرے میں بیٹھے انہیں خیالات میں ڈوبے ہوئے اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کا دل ہی دل میں اعتراف کر رہے تھے۔جن کو میں نے ایک سیاح کی حیثیت سے اپنی کھلی آنکھوں سے دیکھا ہے اس کو قلمبند کر رہا ہوں۔اس لئے ہمیں صرف اللہ تعالیٰ پر توکل کرنا چاہئے صحیح معنوں میں اہل ایمان وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں ہر وقت اللہ کا ذکر ہوتا ہے اور وہ ذرا سی غلطی سے بھی لرز جاتے ہیں۔اللہ کی ذات ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔بس اس سے ڈرتے رہنا چاہئے۔قرآن حکیم میں سورۃ آل عمران اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی ترغیب دیتی ہے۔اور آگے کی آیات میں اللہ تعالیٰ کی مسجدوں کو آباد کرنے کا ذکر ہے۔اگر ہم قرآن حکیم کی جانب رخ کریں جہاں سے ہماری نجات ہے۔سعودی عرب آج بت پرستی، توہم پرستی اور قبر پرستی سے پاک ہے جبکہ یہی وہ ملک تھا کہ چودہ سو سال پہلے اس ملک کو بت پرستی اور توہم پرستی کا گڑھ کہا جاتا تھا۔

انسان کو اللہ تعالیٰ نے اشرف المخلوقات کا درجہ عطا کیا ہے اسے دین و دنیا کی تمام نعمتیں عطا کی ہیں۔اس لئے ان نعمتوں کا صحیح طور پر استعمال کرتے ہوئے اللہ کا ہر حال میں شکر گزار ہونا چاہئے۔

نہ جانے کب میری آنکھ لگ گئی جب صبح آنکھ کھلی تو فجر کا وقت ہو چکا تھا۔ہم نے سب

کو جگایا اور نماز کے لئے مسجد نبوی کی طرف رخ کیا۔ فجر کی نماز کے بعد ہم نے پھر سے اپنے سفر کا آغاز کیا۔ تمام تیاریاں پہلے ہی مکمل ہو چکی تھیں۔ سفر کافی تویل تھا اس لئے ہم نے پہلے سے گاڑی کو پیٹرول اور دیگر ضروری لوازمات سے لیس کر دیا تھا تا کہ راستہ میں کسی طرح کی کوئی پریشانی نہ آئے۔

سفر شروع ہوا ہم راستے میں آنے والے مناظر سے لطف اندوز ہوتے ہوئے پھر سے روانہ ہو گئے۔ وہی جانے پہچانے راستے جن سے گزر کر ہم یہاں آئے تھے۔ آج انھیں راستوں سے واپس جا رہے ہیں۔ ۱۵۰ کلو میٹر کی رفتار سے گاڑی تیزی سے دوڑی چلی جا رہی ہے۔ ہمارے پورے گھر والے مکہ اور مدینہ کی یادوں میں کھوئے ہوئے ہیں۔ ان مقامات کی یادیں ہمارے دلوں میں ہمیشہ قائم رہیں گی دل تو چاہتا تھا کہ یہاں پر ہی رہ جائیں لیکن ایسا ممکن نہیں تھا ایک دن تو جانا ہی تھا۔

باہر دھوپ اور تپتی ہوئی ہوائیں سر سر کرتی ریت کے باریک باریک ذرات باہر ہماری گاڑی کے چاروں طرف سے گزر رہی تھیں۔ راستہ صاف تھا کبھی کبھی کوئی گاڑی تیزی سے ہماری گاڑی کے آگے نکل جایا کرتی تھی۔ لیکن ہم اپنا کار کی اسپیڈ کو قانونی طور پر ہی رکھے ہوئے تھے۔

خدا خدا کر کے ہم واپس اپنے علاقہ الجوف میں آ گئے۔ یہاں کا وہی ماحول تھا جس کو چھوڑ کر ہم گئے تھے۔ ہم نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ اس نے ہمیں بخیریت واپس پہنچا دیا تھا۔ یہ سب اللہ کا کرم تھا ورنہ ہماری بساط ہی کیا ہے۔ وہ جسے چاہتا ہے مارتا ہے جسے چاہتا ہے جلاتا ہے۔ جسے چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ذلت دیتا ہے۔ بس اس کے کرم کے ہم محتاج ہیں۔

ہمارا سفر ختم ہو چکا تھا۔ میں اپنے وطن واپس جانا تھا لہذا کچھ عرصہ قیام اس علاقہ میں رہا کافی دوست بن گئے۔ لوگ عزت و احترام کی نگاہوں سے دیکھتے تھے یہ میری خوش نصیبی تھی کہ میرا بیٹا یہاں پر ایک عزت دار شخص تھا اس کی وجہ سے میری بھی لوگ عزت کرتے تھے۔

ہماری جدائی کا وقت آ گیا تھا ہم نے ۲۱؍جنوری ۲۰۱۱ء کو پھر سے ہوائی جہاز کا سفر کیا۔ سفر ویسا ہی تھا جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔ اور آخر کار ۲۰؍جنوری کو ہم صبح ۴ بج کر تیس منٹ پر ممبئی کے شیواجی ایئر پورٹ پر اترے ضروری کارروائی اور کسٹم کے مراحل سے گزرنے کے بعد ہم واپس اپنے گھر میرا روڈ آ گئے۔ اور اس وقت مجھے ایک مشہور شعر کا یہ مصرع یاد آ گیا۔

پھر آ گئے وہیں پہ جہاں سے چلے تھے ہم

خدا حافظ

آپ کی دعاؤں کا طالب

حیدر ظہیر انصاری حیدرؔ

۲۰؍فروری ۲۰۱۱ء